وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

اتحادِ امّت
نظمِ جماعت

میاں محمد جمیل ایم۔اے
فاضل اردو، علوم اسلامیہ

مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان (شعبہ خواتین)
106- راوی روڈ- لاہور فون 7729933

اتحادِ امّت اور نظمِ جماعت

میاں محمد جمیل ایم۔اے
فاضل اردو، علوم اسلامیہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اکیڈمی
37- کریم بلاک اقبال ٹاؤن لاہور فون: 5417233

اتحادِ امت اور نظمِ جماعت

پہلا ایڈیشن	1985ء
دوسرا ایڈیشن	ستمبر 2001ء
تعداد	1100
قیمت	-/60
ناشر	ابو ہریرۃؓ اکیڈمی

تالیفات اکیڈمی

اکیڈمی کی کتب فرقہ واریت سے مبرا، روح اسلام کی ترجمان زبان تعلیم یافتہ حضرات کے مزاج کے مطابق، انداز نہایت شستہ اور دل پذیر ہونے کی وجہ سے قبولیت عامہ کا شرف پا رہی ہیں۔ نہایت مختصر مدت میں کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ خود پڑھیں اور لوگوں کو پڑھائیں تاکہ تعلیم نبوت عام ہو جائے۔

طلبہ اور فری تقسیم کے لئے 50% رعایت

ترتیبِ بیاں

مقصد جماعت	7
جماعت کا طریقہ دعوت	10
جماعتی زندگی کی اہمیت	14
کلمہ توحید، فکری وحدت کا مؤثر ترین ذریعہ	16
عبادات میں اجتماعیت و مرکزیت	17
روزے کی روحانی اور اجتماعی برکات	23
امت کو متحد رکھنے کے لئے اجتماعات کو فرض قرار دیا گیا	25
رکن سازی نبی اکرمؐ کے دور میں	27
خالص تنظیمی احکامات	30
مضبوط مرکز اور فلسفۂ ہجرت	32
اراکین کا باہم رابطہ	35
رابطے کے ہمہ گیر اثرات	37
رابطے کے آداب	38
انتخاب امیر	41
انتخابی بورڈ اور الیکشن کمیشنر	44
انتخاب امیر کی بحث کا خلاصہ	46
کیا امیر کو معزول کیا جا سکتا ہے؟	47
قیادت کے افکار و کردار کے اثرات عوام پر	50

امیر کے ذاتی اوصاف	53
اخلاق و کردار	55
علم بصیرت	56
تقوی	59
اخلاص	61
قوت فیصلہ	66
امیر کا رابطہ عوام	67
استحقاق امیر اور ادب و احترام	70
سمع و اطاعت	73
امیر کی خیر خواہی	76
امیر کی سیکیورٹی (حفاظت)	79
کارکن کی اہمیت اور افادیت	81
باشعور کارکن	84
ایثار و قربانی	87
احساس ذمہ داری	89
اجتماعی کمزوریاں، بیت المال کی اہمیت	91
زکوۃ کا اجتماعی نظام	93
زکوۃ کی اجتماعی ادائیگی کے بارے میں صحابہؓ کا موقف	94
بیت المال نہ ہونے کے اخلاقی نقصانات	94

جہاد فی سبیل اللہ سے کوتاہی	96
احسان فراموشی اور احسان شناسی کی انتہا	98
خوش فہمی کی بہاروں سے باہر آیئے	99
اعزاز اور احتساب	103
جماعتی کام میں سستی پر سوشل بائیکاٹ	106
فعال اور متحرک رائے عامہ	108
اظہار رائے کے آداب	110
اجلاس کی اہمیت اور اس کے تقاضے	112
قدیم ترین معاشرتی کمزوری	114
اظہار خیال کیجئے مگر مختصر	116
مشاورت کی اہمیت اور غرض وغایت	118
آپؐ کے دور مبارک میں مجلس شوریٰ کے اجلاس اور ان کا ایجنڈا	120
غزوہ بدر کے بارے میں مشاورت	121
میدان جنگ کا انتخاب اور شوریٰ	121
طریق جہاد پر اجلاس	122
کفار سے معاہدے کے بارے میں مشورہ	122
سفر کو جاری رکھنے یا پلٹنے کے بارے میں مشاورت	123
جنگی قیدیوں کے بارے میں مشورہ	124
گورنر کی تقرری کے لئے مشاورت	124

خلفائے راشدین کی مجالس شوریٰ	124
مانعین زکوٰۃ اور حکومت کا فیصلہ	125
مفتوحہ علاقے	127
طاعون اور مجلس شوریٰ	128
فیصلہ کا طریقہ کار اور فاذا عزمت کا مفہوم	130
اختلافات کی بھرمار اور اس کے نقصانات	138
اختلافات کیوں رونما ہوتے ہیں؟	139
غیبت کی ابتداء	142
انا ولا غیری	143
بھیڑیئے سے زیادہ خوفناک شخص	144
فکری تشدد اور انداز خوارج	145
اختلافات کم کرنے کا طریقہ	149
نوید مسرت، عزم سفر	154
مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین کی رکنیت حاصل کرنے کی شرائط	157
مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین کے اغراض ومقاصد	160
دور جدید کی انفرادی تنظیم	162
تعارف اکیڈمی	164
مصنف کا مختصر تعارف	165
تعارف کتب	166

مقصد جماعت

جماعت اور اتحاد بذات خود کوئی مقصد نہیں کیونکہ دنیا میں بے شمار اتحاد اور مضبوط سے مضبوط تر جماعتیں موجود ہیں اور پھر انہیں صدیوں تک اقتدار اور اختیار کی مسند بھی حاصل رہی مگر ان کے صفحہ کردار میں ظلم و تعدی' برائی اور بے حیائی' گناہ اور جرائم کے علاوہ دوسری کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔

جیسا کہ بنی اسرائیل سالہا سال برسر اقتدار اور صاحب اختیار رہے لیکن لعنت و پھٹکار کے علاوہ ان کے دامن عمل میں کوئی سرمایہ موجود نہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے اتحاد اور اتفاق کو با مقصد بنانے کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کی ہے۔

واعتصموا بحبل الله جميعا و لا تفرّقوا○(پ ٤. آل عمران ١٠٣)

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

اس بناء پر جماعت مسلمین یعنی امت محمدیہ کی غرض و غایت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ○(پ ٤. آل عمران ١١٠)

اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہی تو ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لئے میدان عمل میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو لیکن یہ فریضہ جو مقصد زندگی کا حاصل ہے امت کا ہر فرد کما حقہ، ادا نہیں کر سکتا اس لئے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ امت میں بھی ایک ایسی جماعت ہونی چاہیے جو اس مقصد کے حصول کے لئے کوشش پیہم میں مصروف ہو جائے کیونکہ یہ مقصد صرف زبانی یا تحریری تبلیغ سے پورا ہونے والا نہیں۔

مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ۔(صحیح مسلم ۔کتاب الایمان، جلد اول)

اس کے لئے نبیؐ نے فرمایا ہے کہ جو تم میں سے برائی دیکھے طاقت ہے تو ہاتھ کے ساتھ، نہیں تو زبان سے روکے اور اگر کچھ بھی نہیں کر سکتا تو دل کے ساتھ برا جانے۔ ہاتھ کے ساتھ روکنے کے لئے اجتماعی ماحول اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے یہ مطالبہ کیا گیا ہے۔

ولتکن منکم امۃ یدعون إلی الخیر

تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں۔

یہی وہ جماعت کا مشن تھا جس کی وضاحت کرتے ہوئے ایران کی سرزمین پر جب مسلمانوں کے قدم پہنچے تو رستم نے اپنی جان بچانے کے لیے مسلمانوں کے کمانڈر کے پاس اپنا نمائندہ بھیجا اور کہا کہ تم کس غرض کے لئے ہماری سرزمین پر وارد ہوئے ہو۔ اگر تمہیں مال ومتاع چاہئے تو میں سپاہی سے لے کر تمہارے جرنیل تک سب کو تمہاری حسب منشاء مال دے کر راضی کر سکتا ہوں لیکن مسلمانوں کے نمائندے حضرت ربعیؓ جس شان بے نیازی سے اس کے پاس پہنچے اور مذاکرات میں جو اپنا مدعا بیان کیا وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ جناب ربعیؓ نہایت ہی سادہ لباس میں ملبوس تلوار کے اوپر نیام کی بجائے چیتھڑے لپیٹے ہوئے ایرانی قالینوں پر نوکدار تلوار کے ساتھ گزرتے ہوئے رستم کے برابر جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایرانیوں کے لئے حیران وششدر کر دینے والا یہ پہلا موقع تھا کہ کسی عام آدمی کو اپنے سردار کے برابر بیٹھا ہوا دیکھیں۔ وہ دانت پیس کر رہ گئے۔ تب حضرت ربعیؓ نے رستم کے ایک سوال کے جواب میں اپنی آمد اور جماعت کا مقصد بیان کیا۔

إِنَّا قَدْ أُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمٰتِ الْجِهَالَةِ إِلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ إِلٰى عَدْلِ الْإِسْلَام۔(البدایہ والنہایۃ)

ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لا کھڑا کریں۔ پھر ہمارے آنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ عوام کو بادشاہوں کے جور و ستم سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام میں زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔(القرآن)

ظلم و زیادتی، برائی اور بے حیائی کو مٹانے اور معروف کی اشاعت۔ پھر حدود اللہ کے نفاذ کے ساتھ لوگوں کو بھلائی یعنی رفاہ عامہ کے لئے بھی جماعت کے مختلف شعبوں کو کام کرنا چاہئے۔ ایسی جماعت ہی زیادہ دیر تک عوام میں اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔

پہلی وحی کے موقع پر نبی اکرمؐ نے اپنی رفیقہ حیات خدیجۃ الکبریٰؓ کے سامنے جب اپنی صحت کے بارے میں فرمایا کہ خدیجہ" مجھے ڈر لگتا ہے کہیں مجھ کو کوئی نقصان لاحق نہ ہو جائے" تو ام المومنینؓ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے عرض کیا کہ میرے سرتاج خطرے کی کوئی بات نہیں کیونکہ آپؐ کے اطوار پسندیدہ، خدمات عالیہ اور اوصاف حمیدہ کی وجہ سے رب کریم آپکو حقیقی نقصان سے بچائے رکھے گا۔

إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ o خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ o اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ o رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَرْجُفُ فُؤَادُهٗ فَدَخَلَ عَلٰى خَدِيْجَةَ بِنْتِ خُوَيْلَدٍ فَقَالَ زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ فَزَمَّلُوْهُ حَتّٰى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ فَقَالَ لِخَدِيْجَةَ وَاَخْبَرَهَا الْخَبَرَ لَقَدْ خَشِيْتُ عَلٰى نَفْسِيْ فَقَالَتْ خَدِيْجَةُ كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔(البخاری، جلد ۱)

اس پروردگار کے نام سے پڑھیں جس نے سب چیزیں بنائیں۔ آدمی کو خون کی پھٹکی سے بنایا۔ پڑھئے اور تیرا پروردگار بڑی عزت والا ہے۔ یہ آیات حضرت جبریل علیہ السلام سے آپ سن کر گھر لوٹے آپ کا دل ڈر کے مارے کانپ رہا تھا۔ حضرت خدیجہؓ سے پورا واقعہ بیان فرمایا۔ کہ مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے کہیں میری جان ضائع نہ ہو جائے۔ حضرت خدیجہؓ نے عرض کیا میرے آقا ہرگز نہیں اللہ کی قسم وہ آپؐ کو رسوا نہیں ہونے دے گا کیونکہ آپؐ لوگوں کو آپس میں ملانے والے اور کمزوروں کا بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ لوگوں کی مالی خدمت اور مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور ہمیشہ سنگین حالات میں بھی حق کے طرفدار ہیں۔ اس بات کی قرآن حکیم نے اس طرح تائید فرمائی ہے۔

فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ۝ (پ۱۳۔الرعد ۱۷)

جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتی ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین پر قائم رہتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔

جماعت کا طریقہ دعوت

ابھی عرض کیا گیا ہے کہ جماعت کا وجود لازم ہے بشرطیکہ وہ مذکورہ بالا مقاصد کو سامنے رکھ کر اس طریقہ کار کو اپنا دستور العمل بنائے۔ ہر اچھے کام کو نیکی اور معروف کہا جاتا ہے مگر نیکی کی دعوت دینے کے لئے بھی صحیح طریقہ کار کی ضرورت ہے۔ اس کی سادہ مثال ہمارے معاشرے میں یوں پائی جاتی ہے کہ اگر آپ ایک آنکھ سے معذور شخص کو کانا کہہ کر اس کے اس عارضے کے بارے میں پوچھیں گے تو وہ آپ کے انداز گفتگو سے

خفت اور دکھ محسوس کرے گا۔ اسی طرح ایک دوسری مثال پیش کی جاسکتی ہے کہ اگر آپ اپنے ساتھ کھڑے ہونے والے شخص سے کہیں کہ وہ تمہاری والدہ کا خاوند آرہا ہے جس سے آپ نے ایسا کہا ہے ممکن ہے وہ آپ کے منہ پر تھپڑ رسید کردے۔ لیکن اگر اسی کلام کو آپ بہترین الفاظ کا جامہ پہنائیں اور اس طرح اس کو توجہ دلائیں کہ وہ آپ کے والد محترم تشریف لا رہے ہیں تو آپ کا ساتھی نہ صرف آپ کے قریب ہوگا بلکہ وہ آپ کو دانش مند اور مہذب شخصیت قرار دے گا۔ حالانکہ مفہوم کے اعتبار سے پہلی بات کا مدعا بھی وہی ہے۔ قرآن پاک نے مہذب انداز گفتگو کو پسند فرمایا ہے۔ جب موسیٰ سے فرعون نے یہ سوال کیا! کیا ہم سے پہلے مرنے والے ہمارے آباؤ اجداد مشرک اور کافر تھے؟ انبیائے کرام علیہم السلام سب سے زیادہ شائستہ گفتگو کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے عوام کو بھڑکانے کی فرعونی سازش ناکام کردی تھی اور ایسا جواب دیا جو بیک وقت حقیقت اور دانائی سے بھرپور تھا۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ فِىْ كِتٰبٍ لَا يَضِلُّ رَبِّىْ وَلَا يَنْسَى ۝ (پ۱۶۔طٰہٰ ۵۱، ۵۲)

فرعون بولا اور پہلے جو نسلیں گزر چکی ہیں ان کی پھر کیا حالت تھی؟ موسیٰ نے کہا اس کا علم میرے رب کے پاس ایک نوشتے میں محفوظ ہے۔ میرا رب چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں جن مبلغوں کو دعوت دین کے لئے بھیجا ان کو سختی کے ساتھ تلقین فرمائی کہ لوگوں کو متنفر نہ کرنا، بلکہ انہیں پیار، محبت، دانائی اور حکمت کے طریقے سے دعوت دینا، یہی قرآن پاک کے ارشادات ہیں۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ٥ (پ ۱۴۔النحل ۱۲۵)

اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو۔ تیرا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو زیادہ جانتا ہے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ٥ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ٥ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ٥ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ٥ (پ ۲۴۔حم السجدہ ۳۳تا ۳۶)

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں (اور اے نبی) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے رد کرو جو بہترین ہو۔ (تم دیکھو گے کہ) تمہارے ساتھ جس کو عداوت ہے وہ جگری دوست بن جائے گا یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر تم شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگ لو، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

دوسرا اصول

دین فلسفے یا کسی تھیوری کا نام نہیں کہ دین کا دعوی کرنے والا خود تو عمل نہ کرے مگر لوگوں میں ہردم دین کا پرچار کرتا پھرے۔ دین تو اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جو بات لوگوں کو کہہ رہا ہے اسے چاہئے کہ حتی المقدور عملی نمونہ پیش کرے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۝(پ ۲۱۔احزاب ۲۱)

درحقیقت تم لوگوں کے لئے اللہ کے رسول بہترین نمونہ ہیں۔ ہر اس شخص کے لئے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

دین کی دعوت دینے والا اگر جان بوجھ کر اس پر عمل نہیں کرتا تو قرآن مجید نے ایسی دعوت دینے والے کو نیک کی بجائے مجرم گرداناہے۔

أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتٰبَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۝(پ ۱۔البقرۃ ٤٤)

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو حالانکہ کتاب کو پڑھتے ہو تو پھر عقل کیوں نہیں کرتے؟

نبی اکرمؐ فرماتے ہیں مجھے معراج کی رات جب جہنم کا معائنہ کروایا گیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں جہنم میں ایسے لوگ جل رہے ہیں جو دنیا میں دین کی دعوت دینے والے تھے میں نے جبریل امین علیہ السلام سے ان کے بارے میں پوچھا تو جواب ملا جناب یہ علمائے دین ہیں، لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے تھے مگر خود بے عمل تھے۔ (سیرت ابن ہشام)

جماعتی زندگی کی اہمیت

اس نیلگوں آسمان کے نیچے اور وسیع وعریض دھرتی کے اوپر کوئی بھی جدوجہد اجتماعی نتائج مرتب نہیں کر سکتی جب تک اس میں ہم آہنگی، اور نظم وضبط نہ پایا جائے انسان کے گردوپیش کا نظام حتی کہ لیل ونہار کی آمدورفت ایک لگے بندھے مضبوط ضابطے کے تحت اپنے سفر حیات کی آخری منزل کی طرف رواں دواں دکھائی دیتی ہے یہ نظم کے اس قدر مضبوط بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں کہ کیا مجال کہ وہ اپنے مرکز ومدار اور نظم سے الگ ہو سکیں۔ جس طرح اس نظام کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ ہر چیز ایک قاعدے، اصول اور ضابطے کے تحت چلتی رہے تاکہ نظام اپنی ٹھوس اور صحیح بنیادوں پر استوار رہے۔ بعینہ لازم ہے کہ ابن آدم بالخصوص امت مسلمہ ان ضابطوں کی پابندی کرے جو اس کی زندگی کے معاملات کو مربوط اور منضبط رکھتے ہیں کیونکہ انسان کے بگڑنے سے معاشرہ ہی نہیں پورا نظام بگڑتا اور درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کے سدھرنے، سنورنے سے سارے نظام میں نکھار اور استحکام پیدا ہوتا ہے۔

وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ○ (پ۲۳ یسین ۳۸)

اور وہ سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ زبردست علیم ہستی کا بندھا ہوا حساب ہے

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ○ (پ۲۳۔ یسین ۳۹)

اور چاند، اس کے لئے ہم نے منزلیں مقرر کر دی ہیں یہاں تک کہ ان سے گزرتا ہوا وہ پھر کھجور کی سوکھی شاخ کی مانند رہ جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنبَغِي لَهَآ أَن تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ○ (پ۲۳۔ یسین ۴۰)

نہ سورج کے بس میں یہ ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ٥ (پ ۲۱۔الروم ۴۱)

خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزہ چکھائے ان کو بعض اعمال کا شاید کہ وہ باز آئیں۔

اس لئے شریعت اسلامیہ نے پراگندگی اور تفرد وانفرادیت کی بجائے منظم اور اجتماعی زندگی گزارنے پر زور دیا ہے۔

يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْ تُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ٥ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا٥ (پ ۴۔آل عمران ۱۰۲،۱۰۳)

اے لوگوں، جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ تھام لو اور گروپوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ۔

يَـاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ٥ (پ ۴۔آل عمران ۲۰۰)

اے ایمان والو! صبر کرو اور دوسروں کو بھی حوصلے کی تلقین کرتے رہنے کے ساتھ باہم رابطہ رکھو پھر اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ٥ (پ ۱۰۔الانفال ۴۶)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی صبر سے کام لو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

کلمہ توحید فکری وحدت کا مؤثر ترین ذریعہ ہے

ایمان کی اساس اور بنیاد کلمہ طیبہ کو لیجئے جو انسان کو ذہنی فکری جلا بخشنے کے ساتھ ساتھ ایک ذات کبریا کو اپنی حاجات وضروریات کا مرکز ومحور تصور کرتے ہوئے اسی سے وابستہ رہنے کا حکم دیتا ہے اور پھر اس کے ادراک وشعور میں تکرار اور اصرار کے ساتھ یہ حقیقت جاگزیں کرتا ہے کہ تم ایک ہی خالق کی مخلوق اور اسی مالک کی ملکیت ہونے کے ساتھ ایک ہی باپ کی اولاد ہو جس کا خمیر مٹی سے اٹھایا گیا ہے۔ گویا کہ وہ انسان کو وحدت فکر کے ساتھ نسلی اور پیدائشی وحدت کا سبق بھی یاد دلاتا ہے۔

لَيسَ لِلعَرَبِيّ فَضلٌ عَلَى العَجَمِيّ وَلَا لِلعَجَمِيّ فَضلٌ عَلَى العَرَبِيّ كُلُّكُم اَبنَاءُ ادم وَاٰدَمُ مِنَ التُّرَابِ اِنَّ كُلَّ مُسلِمٍ اَخُو المُسلِمِ وَاِنَّ المُسلِمِينَ اِخوَةٌ ارقاء كُم اَقاءكُم اطعِمُو هم مِمّا تَاكُلُونَ واكسو هُم مِمّا تَكسُونَ (طبقات ابن سعد)

نہیں ہے کسی عربی کو غیر عربی پر برتری اور نہ کسی غیر عرب کو عرب پر فوقیت۔ تم سب ایک باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو۔ اس لحاظ سے آپس میں برابر ہو۔ (سنو) حضرت آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ (اس لئے ذات پات، رنگ ونسل اور وطن وغیرہ کا فخر وغرور کوئی شے نہیں) پھر مذہب نے تم کو بھائی بھائی بنا دیا ہے ہر مسلمان (خواہ وہ کسی قوم اور وطن کا ہو) مسلمان ہو کر بھائی بن جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے غلاموں کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ جو آپ کھاؤ اس میں سے ان کو بھی کھلاؤ اور جو آپ

پہنو اس میں سے ان کو بھی پہناؤ۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا○ (پ ٤۔النساء ١)

لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتہ و قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ○ (پ ٢٦۔ حجرات ١٣)

ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

عبادات میں اجتماعیت و مرکزیت

اللہ تعالیٰ نے عبادت کو صرف اور صرف اپنی ذات واحد کے لئے مختص فرمایا ہے اور اس کو انسانیت کی تخلیق کا مقصد قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

وذکر فان الذکری تنفع الْمُؤمِنِیْن○ وما خلقتُ الْجِنَّ وَالْاِنس اِلا لِیَعْبُدُوْنِ○ (پ ٢٧۔الذاریات ٥٥، ٥٦)

نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کے لئے نافع ہے۔ میں نے جن اورانس کوصرف اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔

مگراس عبادت میں بھی انسان کومعاشرتی زندگی میں مرکزیت سیکھنے کا حکم ہے۔

اللہ کی عبادت، خلوص واخلاص کا پیکر بن کر رہنے کا حکم ہے لیکن اس للّٰہیت اور وارفتگی کے عالم میں بھی حیات اجتماعی اوراس کے دینی ودنیاوی مفادکونظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا گیا۔ گویا مرکزیت کواجاگراوراس کی اہمیت وضرورت کونمایاں کرنے کے لئے تعلیم وتربیت کا آخری حدتک انتظام وانصرام کر دیا گیا ہے۔ اس حقیقت کو پانے اوراپنانے والے کوزرہ برابر بھی تردد نہیں ہونا چاہئے کہ دین اسلام نے عبادت کے اندر حیات اجتماعی کے تصور کواس طرح سمودیا ہے جیسے پھول کی نرم ونازک پنکھڑیوں میں رنگ اورخوشبو لہذا اب دونوں کا معاملہ روح اورجسم کا ہوگا۔ نماز ہی کوسامنے رکھیں جودین کارکن رکین، مومن کی اخلاقی، روحانی بلندیوں کی معراج اورجس کوقلب ونظر کے لئے ٹھنڈک وسکون کاباعث قرار دیا گیا ہے۔

۱۔ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔ نماز مومن کی معراج ہے۔

۲۔ قُرَّۃُ عَیْنِی فِی الصَّلٰوۃِ ۔ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

اس میں نظم وضبط اور جماعتی واجتماعی زندگی کوکس طرح اہمیت وافادیت دی گئی ہے۔ اس عبادت کوجن شرائط اورآداب کے ساتھ بجالانے کا حکم ہے۔ اس میں ان امور کوفرض قرار دیا گیا ہے۔ جن سے مسلمانوں میں وحدت اور جماعتی زندگی کاشعور پیدا ہوتا ہے۔ نماز ادا کرتے وقت کوئی صحرااورریگستان یاحرم کعبہ میں کھڑا ہو یا پھر ہزاروں میل دورکسی بھی جگہ، چھوٹا ہو یا بڑا، غرضیکہ تمام کوایک ہی سمت اور جہت اختیار کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۝ (پ۲۔البقرة ۱۵۰)

اور جہاں سے بھی تمہارا گزر رہو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیرا کرو اور جہاں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔

آپ نے امت کو صرف یک سمت ہونے پر ہی زور نہیں دیا بلکہ اس کے لئے شب و روز میں پانچ وقت ایک (مسجد) میں اکٹھا ہونے اور باجماعت نماز ادا کرنے کو ضروری قرار دیتے ہوئے فرمایا جو لوگ شرعی عذر کے بغیر مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ شامل نہیں ہوتے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں امامت کی ذمہ داری کسی دوسرے کے سپرد کر کے خود شہر کا چکر لگاؤں اور ایسے لوگوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر دوں جو نماز کے لئے مسجد میں نہیں آتے لیکن میں اس لئے ایسا نہیں کرتا کہ گھروں میں چھوٹے بچے اور خواتین بھی ہیں جن پر باجماعت نماز فرض نہیں ہے۔ (رواہ المسلم ج ۱ باب فضل صلوة الجماعة)

ایک طرف یہ انتباہ اور دوسری طرف فضیلت و ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ تنہا نماز پڑھنے والے کو صرف ایک نماز کا جب کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے والے کو ستائیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔ (رواہ المسلم ج ۱ باب فضل صلوة الجماعة)

عبد اللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے فرمایا جماعت کی نماز اکیلی نماز پر ستائیس درجہ فضیلت رکھتی ہے۔

حالانکہ کتنے نمازی ہیں جو تنہا نماز ادا کریں تو ان کے رکوع وجود اور ادئیگی نماز دیکھ کر دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش ہمیں بھی ایسی نماز نصیب ہو جائے۔ ممکن ہے جماعت کے ساتھ انہیں وہ ٹھہراؤ اور قرار نہ حاصل ہوتا ہو جو خلوت کی نماز میں پایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود اجتماعیت کی خاطر فرمایا جا رہا ہے کہ اس طرح ایک نماز کا ثواب اور جماعت کے ساتھ چاہے درمیانے درجے کی یا اس سے بھی ہلکی نماز ہو، نماز ادا کرنے والے کو ستائیس گنا زیادہ اجر سے نوازا جائے گا۔ اسی بنا پر نماز کھڑی ہونے کے وقت ارشاد ہوتا ہے۔ کندھے کے ساتھ کندھا اور پاؤں کے ساتھ پاؤں ملا کر صفوں کو درست کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ اگر تم نے اس طرح صف بندی کا اہتمام نہ کیا تو شیطان تمہارے دلوں کو دور کرتا چلا جائے گا

عَنْ جَابِرِ بْنِ سمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلا تَصِفُّوْنَ کَمَا تَصِفُّ الْمَلا ئِکَۃُ عِند ربّھا قَال قُلْنَا وکَیفَ تَصِفُّ عِنْد رَبِّھَا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وکَیفَ تَصِفُّ عِنْدَ رَبِّھَا قَالَ یُتِمُّونَ الصُّفُوْفَ الاَوَّلَ وَیَتَرَآصُّوْنَ فِی الصَّفِّ۔ (المسلم،کتاب الصلوۃ)

جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے آنحضرتؐ نے فرمایا تم اس طرح صفیں کیوں نہیں باندھتے، جس طرح فرشتے صفیں باندھتے ہیں۔ صحابہؓ نے استفسار کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ وہ اپنے رب کے سامنے کیسے صفیں استوار کرتے ہیں۔ تو فرمایا پہلے وہ پہلی صف کو پورا کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں (کہ بیچ میں خالی جگہ نہ رہے پاؤں سے پاؤں اور کندھے سے کندھا ملا کر)۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَقِیْمُو اصُفُوْفَکُمْ وَحَاذُوْا بَیْنَ

الْمَنَاكِبِ وَسُدُّو الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِیْ اِخْوَانِكُمْ لَمْ يَقُلْ عِيْسٰى بِاَيْدِیْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذِرُوْا فَرَجَاتٍ لِلشَّيْطَانِ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ .(المسلم، کتاب الصلوۃ)

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے نبیؐ نے فرمایا قائم کرو صفوں کو اور برابر کرو کندھوں کو اور درمیان میں خالی جگہ نہیں ہونی چاہئے ۔اور ایک دوسرے کے لئے نرمی پیدا کرو اور شیطان کے واسطے صفوں کے بیچ میں جگہ نہ چھوڑ و اور جو شخص باہم صف ملائے گا اللہ بھی اس کو ملا دے گا اور جو کوئی صف کاٹے گا اللہ اس کو اپنی رحمت سے دور کر دے گا۔

یہ وہ تربیت جماعت سازی ہے جس کو دیکھ کر اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن ایرانی افواج کا کمانڈر انچیف رستم چلا اٹھا تھا۔ جب اس نے قادسیہ کے میدان میں مسلمانوں کو نماز کے لئے پورے اہتمام واحترام کے ساتھ صف بندی کرتے دیکھا تو چیخ کر کہنے لگا۔

كَانَ رُسْتَمْ اِذَا رَاى الْمُسْلِمِيْنَ يَجْتَمِعُوْنَ إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ اَكَلَ كَبِدِیْ عُمَرُ يُعَلِّمُ الْكِلَا بَ الاٰدَابَ۔(ابن خلدون)

جب رستم نے مسلمانوں کو نماز کے لئے صف آرا ہوتے ہوئے دیکھا تو چلا کر کہنے لگا ہائے افسوس عمرؓ نے میرا کلیجہ چبا لیا ہے کیونکہ وہ وحشی درندوں کو منظم ہونے کے آداب سکھلا رہا ہے۔ یاد رہے رستم مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر نہیں گھبرایا تھا بلکہ اس وقت اس نے تکبر وغرور کے ریکارڈ توڑ دیئے تھے اور فرعون سے بھی دو قدم آگے بڑھ کر کہا تھا کہ آج روئے زمین پر میرا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔اس کے جونیئر فوجی افسر نے عرض کیا کہ آقا یزداں کی مدد مانگئے ۔تو رستم نے غصے سے تھراتے ہوئے گرج دار لہجے میں کہا تھا کہ آج خدا بھی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عبادات میں صف بندی باہمی محبتوں کو فروغ دینے کے بہترین ذرائع میں سے ہے
جب بندہ مومن دنیا کے تمام دھندوں سے ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتا ہے تو وہ زبان حال
سے اس بات کا اعلان کر رہا ہوتا ہے کہ اب مجھے تمام معاملات وتعلقات سے بڑھ کر
رب کبریا کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے۔ جب بندہ رب کے حضور مکمل طور پر عجز
وعاجزی کا مظہر بن کر اپنے اذکار وادعیات خالق ومالک کے سامنے پیش کر رہا ہوتا ہے۔ تو
تعلیم یہ ہے کہ وہ صرف اپنی ذات اور مفاد کے لئے ہی آرزومند نہ ہو بلکہ جو اپنے لئے مانگے
وہی دوسروں کے لئے بھی فریاد کرے گویا کہ۔

مانگے جو گھر کی خیر تو خیر چمن بھی مانگ
ممکن نہیں چمن نہ رہے آشیاں رہے

نمازی نماز میں چار حالتیں اختیار کرتا ہے، ان چاروں حالتوں میں اپنے ساتھ کھڑے
ہوئے دائیں بائیں آگے پیچھے نمازیوں کی نہیں بلکہ پوری امت کو مدنظر رکھتے ہوئے
اپنی دعاؤں اور صداؤں میں انہیں شامل رکھتا ہے۔ آئیں اب نماز کی ایک ایک
حالت میں مانگی گئی دعاؤں کو پوری توجہ کے ساتھ پڑھیں۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ○ إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ○ صِرَاطَ الَّذِينَ
أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ○ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ○ (پ ۱، الفاتحة ٤ تا ٧)

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان
لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے، اور جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

رکوع وسجود

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ يُكْثِرُ اَنْ يَقُولَ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ

سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِی ۔(صحیح مسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا آنحضرتؐ اکثر رکوع وسجدے میں پڑھا کرتے تھے۔اے ہمارے پروردگار ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔تیری تعریف کے ساتھ اے اللہ مجھے معاف کردے۔نماز میں نمازی تمام آداب بجالانے کے بعد آخر رب کے حضور دھرنا مار کر گردن جھکائے بیٹھ جاتا ہے۔اور پھر عرض کرتا ہے کہ اے اللہ ساری عبادتیں تیری ذات وحدہ لاشریک کے لئے ہیں۔اے اللہ نبی اکرمؐ کی ذات گرامی پر برکات وسلام کا نزول فرما۔اس کے بعد اپنے اور تمام نیک بندوں کے لئے عرض کرتا ہے کہ ہم سب پر اپنی رحمتوں کی برکھا نازل ہو۔آخر میں پھر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے نمازیوں کے لئے دعا گو ہوتا ہے۔اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ

نماز عشاء سے فارغ ہو کر مومن اپنی خواب گاہ میں یوں ہی بے فکر ہو کر نہیں لیٹتا کہ اسے خبر تک نہ ہو بلکہ آدھی رات کو بے قرار ہو کر یکدم بستر استراحت سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور رات کی تاریکیوں میں پڑھی جانے والی نماز وتر میں ملت کے خیر خواہ اور اس فقیر کے جذبات سسکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔وہ دنیا وآخرت کے فوائد کے حصول اور دونوں جہان کے نقصانات سے مامون ہونے کے لئے تڑپ تڑپ اور بلک بلک کر بارگاہ رب کریم میں سب کے لئے فریاد کناں ہوتا ہے۔

روزے کی روحانی اور اجتماعی برکات

نماز تعلق باللہ اور روحانی بالیدگی کا اکمل ترین ذریعہ ہے اس کو قرب الٰہی کے حصول کے ساتھ ظاہری اور باطنی مرکزیت کا بہت بڑا وسیلہ قرار دیا گیا ہے جب کہ نماز کے

مقابلے میں روزہ میں ظاہری طور پر اجتماعیت کے قرائن وآثار بہت کم نظر آتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک ہی مطلع سے متعلق روزے دار ایک ہی وقت کی پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے اور افطار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حالانکہ روحانی اور قلبی لحاظ سے جس قدر روزہ مومنوں کی قربتوں کے باہمی رشتوں سے جوڑنے کا مؤثر ذریعہ ہے۔ شاید ہی دین کے کسی دوسرے رکن کے ذریعے یہ قربت پیدا ہوتی ہو۔ روزہ اللہ عزوجل کی خفیہ ترین عبادت ہے سوائے علام الغیوب کے کسی دوسرے کو حقیقی اور حتمی علم نہیں ہوسکتا کہ یہ شخص روزے دار ہے۔ روزے دار کے ان پر خلوص جذبات اور غایت درجے کی تعمیل حکم کی بنا پر ارشاد پاک ہے۔

الصوم لی وانا اجزی به۔ کہ روزہ میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دوں گا۔

یہ روزہ اس بات کا بالفعل احساس دلاتا ہے کہ بھوک اور تنگ دستی کی سختیاں غریب کی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتی ہیں۔ خصوصاً غیور اور محنت کش جو صبح سے شام تک کھیت ،دوکان یا پھر سر پر دابڑا اٹھائے مزدوری کرتا ہے حتیٰ کہ زندگی بھر جان توڑ مشقت کے باوجود غربت کے تھپیڑے کھا رہا ہوتا ہے۔ شام کو چھوٹے چھوٹے بچوں کو روکھی سوکھی روٹی اور تن کے کپڑے اور علاج کے لئے دوائی مہیا نہیں کر سکتا تو اس کے کلیجے پر جو گزرتی ہے اس کے قلبی اضطراب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جان سکتا اور پھر جب اس کی جواں سال نیک سیرت بیٹی کو سماج اس لئے قبول نہیں کرتا کہ اس کے باپ کے پاس دولت نہیں ہے۔ اس بے کسی اور بے بسی کو تو کوئی غریب ہی جان سکتا ہے یا پھر بندہ مومن جس نے رمضان سے کوئی روحانی فائدہ حاصل کیا ہو۔ یہ اس وقت ممکن نہ تھا جب تک دولت مندوں کو غربت کی دشوار گزار وادیوں سے نہ گزارا جاتا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ○ وَمَا اَدْرٰكَ مَاالْعَقَبَةُ○ فَكُّ رَقَبَةٍ○ اَوْاِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ○اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ○(پ ۳۰۔البلد ۱۱ تا ۱۶)

مگر اس نے دشوار گزار گھاٹی سے گزرنے کی ہمت نہ کی اور تم کیا جانو وہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی ہے کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔

یہی جذبات امیر و غریب کو ایک دوسرے کے قریب تر کر دیتے ہیں اور اس بنا پر روزے کے فضائل کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی زبان اطہر سے یہ الفاظ جاری ہوئے

عن سلمان الفارسي قال خطبنا رسول اللهِ صلى اللّٰهُ عليهِ وسلم فِي آخِرِ يومٍ من شعبان فقال يا أيها الناس قد اظلّكم شهرٌ عظِيمٌ شهرٌ مبارَكٌ ،شهر صبرٍ والصبرُ ثوابُهُ الجنّةُ وشهرُ المواساةِ وشهرٌ يُزادُ فِيهِ رزقُ المؤمنِ ۔(مشکوۃ ،کتاب الصوم)

حضرت سلمان فارسیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ نے شعبان کے آخر میں ہم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگوں تم پر ایک بابرکت اور عظیم المرتبت مہینہ سایہ افگن ہونے والا ہے۔ یہ صبر و حوصلہ کے ایام ہیں جس میں حوصلہ مندی کا مظاہرہ کرنے والے کے لئے جنت ہے۔ یہ بھائی چارے کا مہینہ ہے۔اس میں مومن کے رزق میں وسعت پیدا کر دی جاتی ہے۔

امت کو متحد رکھنے کے لئے اجتماعات کو فرض قرار دیا گیا ہے

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (پ ۴۔ آل عمران ۹۶)

سب سے پہلے عبادت گاہ جو انسانوں کے لئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔اس کو خیر و برکت دینے کے ساتھ تمام جہان کے لئے مرکز ہدایت بنایا گیا ہے۔ نماز باجماعت اور جمعہ کے بعد سال میں اپنے اپنے علاقوں اور ملکوں میں نماز عیدین کے اجتماعات پھر ان میں آنے جانے کے انداز کی تفصیل ارشاد فرمائی کہ راستے تبدیل کرتے ہوئے اور بلند آواز سے تکبیرات کہتے ہوئے مسجد کی بجائے کھلے میدان میں آؤ تاکہ در و دیوار اور کوچہ و بازار تسبیح و تحلیل کے نغمات سے گونج اٹھیں۔اس سے ایک طرف خدا کی دھرتی روز محشر میں نمازیوں کے حق میں گواہ بن جائے گی اور دوسری طرف تمہاری پروقار نقل و حرکت اور اجتماعات کا دشمنان ملت پر رعب و دبدبہ طاری ہو جائے گا۔ان پانچ وقتی نمازوں اور ہفتہ وار اور پھر سالانہ اجتماعات کے بعد ایک عالمگیر اجتماع حج مقرر فرمایا۔دینی، روحانی، مادی فوائد سمیٹنے کا بندوبست کرتے ہوئے عالم اسلام کی یک جہتی کے لئے اقدامات کئے گئے۔اپنے اپنے ملکوں، علاقوں، گھروں سے نکلنے والے بوڑھے، جوان خواتین، بچے ،ان حجاج کرام کے قدم یکدم رک جاتے ہیں جیسے کوئی چیز سلب ہو جائے۔یہ قافلے کیوں ٹھہر گئے ہیں۔اس لئے کہ میقات آ چکے ہیں۔قدم آگے نہ بڑھنے پائیں جب تک ایک ہی قسم کا لباس نہ پہن لیا جائے۔شاہ و گدا فقیرانہ لباس پہنے ہوئے جوں ہی قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں تو زبان سے الفاظ بے ساختہ نکلتے ہیں کہ اے خداوند عالم تیری بارگاہ میں ہم حاضر ہیں۔ اسی طرح حج کے تمام مناسک پر غور فرمائیں۔کتنی ہم آہنگی، یک رنگی اور یک جہتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں اجسام ایک قالب میں ڈھل چکے ہیں۔اس کے ساتھ ہی محبتوں سے لبریز اتحاد و اتفاق کا پیغام دینے والے الفاظ سنائی دیتے ہیں۔

قَالَ فَاِنَّ دِمَاؤکُمْ وَاَموَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرمَةِ یَومِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهرِکُمْ هٰذَا وَمُتَلَقَّوْنَ رَبَّکُمْ فَیَسْئَلُکُمْ عَنْ اَعمَالِکُمْ اَلَا فَلَا تَرْجِعُو بَعْدِیْ ضُلَّا لَا یَضْرِبُ بَعْضُکُمْ رِقَابَ بَعْضٍ۔ (حجة الوداع، معارف الحديث، ج ٤)

آپ کا ارشادِ گرامی ہے کہ تمہارے خون، مال اور عزت و آبرو اسی طرح ہی ایک دوسرے کے لئے محترم ہیں جیسے آج کا دن، یہ ارض مقدس اور یہ ماہ محترم ہے۔ تم عنقریب اپنے رب کے حضور پیش ہونے والے ہو۔ وہ تم سے تمہارے اعمال کے بارے میں جواب طلبی کریں گے۔ یاد رکھو میرے بعد قتل و غارت کا ارتکاب کر کے گمراہ نہ ہو جانا۔

رکن سازی نبی اکرمؐ کے دور میں

جیسا کہ اس کتاب کے نام اور عنوانات کے ذریعے باور کرایا جا رہا ہے کہ کتاب و سنت میں مسلمانوں کو منتشر اور متفرق زندگی گزارنے کی بجائے منضبط اور مربوط حیات بسر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ افراد کے کوائف زبانی یا تحریری طور پر معلوم ہوں۔ اس ضرورت کو نبی محترم نے اپنے دور مبارک میں محسوس فرماتے ہوئے جماعت بلکہ حکومتوں کی خاطر ہر قسم کی منصوبہ بندی کے لئے ٹھوس بنیاد فراہم فرمائی کیوں کہ جب تک کسی حکومت کو معلوم نہ ہو، لوگوں کی تعداد اور کوائف کیا ہیں وہ خوراک، تعلیم، اور ہر قسم کی کس طرح منصوبہ بندی کر سکتی ہے۔ لہذا آپؐ اور آپؐ کے رفقا ابتدا ہی سے رکن سازی کے قائل اور فاعل تھے۔ خاکم بدہن اگر آپؐ ہمارے تصورات کی طرح زندگی گزارتے کہ بس تبلیغ و اشاعت کرتے چلے جاؤ کیا ضرورت

ہے۔ جماعت سازی، اجلاس، اجتماعات اور رکن سازی کے دھندوں میں پڑھنے کی چھوڑو۔ یہ تو دنیاوی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کے گھورکھ دھندے ہیں ہم اللہ والوں کو ان کاموں سے کیا سروکار۔ فقط اشاعت دین ہی مسلمان کی زندگی کا مقصد وحید ہے۔ ایسا کرنے اور سوچنے والے یہ بات مطلق بھول گئے ہیں کہ اگر رسولؐ خدا اور آپ کے اصحاب ہماری طرح غیر مربوط اور بے ہنگم انداز سے کام کرتے تو قیامت تک خدا کا دین اور یہ امت مسلمہ باطل قوتوں پر غالب نہ آ سکتے۔ اگر اللہ والوں کے بزعم وہاں سرے سے کوئی نظم وضبط ہی نہ تھا تو یہ کہا سے پتہ چلا کہ پہلے سالوں میں اتنے مرد اور خواتین مسلمان ہوئیں۔ پہلی ہجرت حبشہ میں ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں تھیں، اس قافلے کے امیر حضرت عثمانؓ تھے۔ دوسری ہجرت حبشہ میں ۸۳ مرد اور ۱۸ خواتین تھیں، ان کے امیر حضرت جعفر طیارؓ تھے۔ پھر یہ اعداد وشمار کہاں سے حاصل ہوئے کہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳ یا ۳۱۷ تھی جن میں ۸۶ مہاجر ۶۱ کا تعلق قبیلہ اوس ۱۷۰ کا تعلق خزرج سے تھا۔ ان کے پاس ۲ گھوڑے اور ۷۰ اونٹ تھے اور کفار کی تعداد ایک ہزار تھی۔ اسی طرح غزوہ احد میں تین سو منافق نکل گئے تھے باقی نبی اکرمؐ کے ساتھ ۷۰۰ مسلمان رہ گئے۔ مقابلے میں کفار ۳۰۰۰ تھے اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ حدیبیہ میں آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنے والوں کی تعداد ۱۴۰۰ تھی۔

آپ جوں جوں نظم وضبط کی دنیا میں آگے بڑھیں گے تو حیران وششدر رہ جائیں گے کہ یہ کس نے بتایا کہ غزوہ خندق میں کفار کی کم از کم تعداد دس ہزار تھی اور مسلمان اتنے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کا لشکر کس نے شمار کیا جن کی تعداد تمام سیرت نگاروں نے درج کی ہے اور جب اس لشکر میں دو ہزار کا اضافہ ہوا تو سیرت لکھنے

والوں نے کہاں سے اور کس طرح حساب لگایا۔ کہ حنین پہنچنے تک یہ لشکر دس کی بجائے بارہ ہزار مجاہدوں پر مشتمل تھا۔ اگر وہاں شماریات کا رواج سرے سے نہیں تھا تو غزوہ تبوک پر انفاق فی سبیل اللہ کے سلسلہ میں صحابہ کرام نے دل کھول کر جو دفاعی فنڈ میں حصہ لیا کہ حضرت ابوبکرؓ نے سارا مال واسباب حضرت عمر فاروقؓ نے آدھا مال حضرت عثمانؓ نے ۹۰۰ اونٹ مع سازو سامان ایک سو گھوڑے ساڑھے انتیس کلو چاندی تقریباً ساڑھے پانچ کلو سونے کے سکے حضرت عاصم بن عدی نے ۹۰ وسق (ساڑھے تیرہ ٹن تقریبا تیرہ ہزار کلو کھجوریں عطیہ دیں۔ (الرحیق المختوم)

اسی طرح دوسرے صحابہ کرام کے صدقات کی تعداد ہم تک کیسے پہنچی اور ایسے سادہ لوح لوگوں سے اس سوال کی بھی اجازت چاہوں گا کہ آخری حج کے موقع پر شمار کئے بغیر کیسے پتہ چلا کہ آپؐ کے ساتھ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار حجاج کرام تھے۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ وہاں ہر چیز کو کمپیوٹرائزڈ کیا جاتا تھا لیکن اس بات کے ساتھ اتفاق تو جہالت اور بے عملی کے ساتھ اتفاق ہوگا کہ اس دور میں اعداد و شمار کی حیثیت اور ضرورت ہی نہ تھی۔ کیا میں نے یہ حساب و کتاب قصہ کہانیوں کی کتابوں سے اخذ کئے ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ یہ حدیث کی مقدس دستاویزات اور سیرت طیبہ کی مستند کتابوں سے ماخوذ ہیں اسی لئے حضرت عمرؓ نے باقاعدہ طور پر مردم شماری کا محکمہ قائم کیا تھا، پھر لوگوں کو وظیفے اور زمینیں دی گئیں یہاں تک کہ شیر وخوار بچوں کے وظائف کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا جب وہ بڑے ہو جاتے تو رجسٹر سے نام خارج اور وظیفہ بند ہو جاتا (الفاروق)

میرے اس نقطہ نظر کی وضاحت نبی پاکؐ کے اس حکم عالی سے ہوتی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ اُكْتُبُوْا اِلٰی مَنْ تَلَفَّظَ بِالْاِسْلَامِ مِنَ النَّاسِ فَكَتَبْنَا لَهُ اَلْفًا وَّخَمْسَةَ مِائَةٍ .(بخاری ،کتاب الجہاد)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں نبی اکرم نے حکم دیا کہ تمام وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول کیا ان کے نام لکھ کر مجھے دیئے جائیں۔ہم نے آپ کو فہرست تیار کر کے پیش کی جو ۱۵۰۰ مسلمانوں پر مشتمل تھی۔

خالص تنظیمی احکامات

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے آخری دین نے فرد کو بڑی بنیادی حیثیت دی ہے کیونکہ جب تک فرد کی سیرت اور ذہن سازی نہیں ہوگی ۔اجتماعی زندگی کا نظم اور نکھار ناممکنات میں سے ہوگا۔لیکن شریعت اسلامیہ فرد کو اجتماعی زندگی کے منجدھار میں اتار کر مخاطب کرتی ہے ۔یہی وجہ ہے قرآن پاک میں اکثر مقامات پر انفرادی نہیں اجتماعی خطاب کا طرز اپنایا گیا۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ o یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا o قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ o یٰٓاَیُّهَا الْاِنْسَانُ

اسی لئے وہ مسلمانوں کو باہم جڑنے اور اجتماعی طرز حیات کا حکم دیتا ہے یہ ملاپ اور اجتماع کس طرح کا ہونا چاہئے ۔نبی اکرمؐ نے اس ضمن میں خالص تنظیمی احکامات کے ذریعے اور پھر ہر پہلو پیش نگاہ فرماتے ہوئے ہدایات عنایت فرمائیں تاکہ نظم جماعت کے آداب سے لوگوں کو آگاہی حاصل ہو۔

لَا یَحِلُّ لِثَلَاثَةٍ یَکُوْنُوْنَ بِفَلَاةٍ مِّنَ الْاَرْضِ اِلَّا اَمَّرُوْا عَلَیْهِمْ اَحَدَهُمْ۔

بیاں بان وصحرا میں رہنے والے تین آدمیوں کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ یوں ہی زندگی گزاریں بلکہ انہیں بھی اپنے میں سے ایک کو امیر بنانا ہوگا۔

مَنْ ماتَ وَلَيسَ فِي عُنُقِهِ بَيعَةٌ مَاتَ مَيتَةً جَاهِلِيَّةً (صحيح مسلم ،كتاب الامارة)

جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں امیر کی اطاعت (بیعت) کا قلادہ نہیں اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

عَلَيكُم بِالْجَمَاعَةِ وإيَاكُمْ والفرقَةَ۔

جماعت کے ساتھ منسلک رہو۔ الگ الگ گروہوں میں تقسیم نہ ہونا۔

آمُرُكُم بِخَمسٍ بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ۔ (مسند احمد وترمذی بحواله مشکوة کتاب الامارة)

میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ ۱۔ جماعتی زندگی، ۲۔ سمع، ۳۔ اطاعت، ۴۔ ہجرت، ۵۔ جہاد فی سبیل اللہ۔

مَنْ اَرادَ اَنْ يُفَرِّقَ اَمرَ هٰذِهِ الْجَمَاعَةِ وهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيفِ كَائِنًا مَنْ كَانَ۔ (مسلم ،كتاب الامارة)

جو شخص اس جماعت کو اختلاف کا شکار کرے جبکہ وہ کسی ایک پر اکٹھے ہو چکے ہوں تو ایسے شخص کو تلوار سے ٹھیک کرو چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

مَنْ يُطِعِ الاَمِيرَ فَقَدْ اَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْاَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔ (ایضا)

جس نے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

عَنْ اَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ الْمُؤمِنُ لِلْمُؤمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعضًا ثُمَّ شَبَّكَ بَينَ اَصَابِعِهِ۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مسلمان کا دوسرے

مسلمان سے تعلق ایک مضبوط دیوار کا سا ہے اس کا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر فرمایا، اس طرح ایک دوسرے سے پیوستہ ہو جاؤ۔

عَنْ نُعْمَانَ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكٰى عَيْنَهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ وَاِنِ اشْتَكٰى رَاْسَهٗ اِشْتَكٰى كُلُّهٗ ۔ (مسلم)

نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمام مسلمان ایک فرد واحد کی طرح ہیں اگر کسی کی آنکھ کو تکلیف ہو تو سارا جسم کرب محسوس کرتا ہے اور کسی کے سر میں درد ہو تو سارا وجود کانپ رہا ہوتا ہے۔

مضبوط مرکز اور فلسفہ ہجرت

ہجرت ترک وطن اور ترک گناہ ہی کا نام نہیں بلکہ اس میں تنظیم و مرکزیت کا فلسفہ اور راز بھی مضمر ہے۔ اس سے دین اور عزت بچانے کے ساتھ ساتھ دبی اور بکھری ہوئی قوتوں کو یکجا کر کے کھلی فضا میں ان کو نشوونما کا موقعہ دینا ہے تاکہ ایمانی جوہر اور انفرادی اور اجتماعی لیاقت وصلاحیت جور و استبداد کی چٹانوں تلے دب کر نہ رہ جائے۔ جوں ہی مکہ معظمہ کی سرزمین کفر کے جور و ستم کی وجہ سے اپنی وسعت اور کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی اور حالات میں تناؤ اور کھچاؤ بڑھتا گیا تو باری تعالیٰ نے ہجرت کی اجازت عام عنایت فرمادی۔ لیکن اس میں یہ اجازت ہرگز نہ تھی کہ جدھر منہ آئے ادھر چلے جاؤ۔ اگر ایسا ہوتا تو شاید قیامت تک اسلامی انقلاب برپا نہ ہوتا اور نہ ہی امت متحد ہوسکتی اس کے لئے بڑے تواتر کے ساتھ ہدایات جاری ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ سوائے

ضعیف وناتواں حضرات کے تمام مسلمانوں کے لئے مدینہ پہنچنا فرض ٹھہرا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْاۚ (پ ۱۰، انفال ۷۶)

رہے وہ جو ایمان تو لائے مگر کمزور ہیں انہیں رخصت دی جاتی ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًاۙ (پ ۵، النساء ۹۸)

ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے۔

تاریخ عالم میں انسانوں کی نقل مکانی کے سینکڑوں واقعات موجود ہیں۔ کئی شہر ادھر سے اجڑ کر ادھر آباد ہوئے۔ ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں لوگ قافلوں کی صورت میں نکلے لیکن بے سود اور نامراد۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ (پ ۲، البقرة ۲۴۳)

کیا تم نے ان لوگوں کے حال پر غور کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان کو فرمایا کہ مر جاؤ۔ پھر اس نے انہیں دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بندے پر بڑا فضل کرنے والا ہے مگر اکثر لوگ شکرگزار نہیں ہوتے مگر جس طرح نبیؐ کے ساتھیوں نے مرکز اسلام کی خاطر ہجرت کی، اس کی نظیر نہیں ملتی ایک زندگی بھر کی کمائی چھوڑ کر اور دوسرا باپ دادا کے مکانات ومحلات خالی کئے جا رہے ہیں۔ کسی نے ماں کو، کسی نے باپ کو اور کسی نے بہن بھائیوں کو چھوڑ کر ہجرت کی ہے

اور کوئی بیوی بچے چھوڑ کر تن تنہا مدینہ طیبہ کی طرف چلا جا رہا ہے۔ جذبات کا عالم یہ ہے کہ ابو فمیرہؓ بیمار اور نابینا ہونے کے باوجود مسلمانوں کے مرکز کی طرف نکل کھڑے ہوئے لیکن ضعف و بیماری کی وجہ سے مکہ معظمہ سے تھوڑی دور مقام تنعیم پر پہنچے ہی تھے کہ موت نے آلیا۔ کفار نے طعنہ دیا کہ گھر سے نکلا لیکن منزل اور مقصد کو نہ پا سکا گویا کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ ادھر یہ مہاجر زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا، ادھر نبی اکرمؐ پر قرآن پاک نازل ہو رہا تھا۔

وَمَن يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۝ (پ ۵۔ النساء ۱۰۰)

جو ہجرت کے لئے نکلا پھر راستہ ہی میں اسے موت آ جائے اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہو گیا۔ اللہ بہت بخشش کرنے والا اور رحیم ہے۔

اتنی جامع ہدایات اور منصوبہ بندی کے ساتھ نقل مکانی اس لئے کی گئی تاکہ ایک مضبوط مرکز بن جائے۔ اگر صرف ایمان اور عزت ہی بچانا مقصود ہوتا تو مسلمانوں کو حکم ہوتا کہ جدھر چاہو نکل جاؤ لیکن اس طرح مسلمانوں میں نہ مرکزیت پیدا ہوتی اور نہ ہی مضبوط مرکز۔ اگر مرکز مضبوط نہ ہو ملک یا جماعت کا منظم اور ٹھوس بنیادوں پر استوار اور اٹھ کھڑا ہونا تو درکنار ایسی مملکت یا جماعت کو اپنا وجود برقرار رکھنا ہی مشکل ہوتا ہے ہجرت کے دوسرے دینی روحانی اور مادی فوائد کے ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ اس کے ذریعے ایک مضبوط مرکز معرض وجود میں آ گیا۔

اراکین کا باہم رابطہ

اراکین جماعت کا باہمی رابطے کی حیثیت جسم اور روح کی طرح ہے۔ان دونوں کا رابطہ ٹوٹ جائے تو اسے موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہی حیثیت کارکنان کے باہمی رابطے کی ہے۔اگر ایک دوسرے سے تعلقات نہیں ہیں تو جماعتی اور اجتماعی زندگی چہ معنی دارد؟ کارکنان کے باہمی تعلقات اور رابطے کا نام جماعت ہے کیونکہ جماعت افراد کے مجموعے کو کہا جاتا ہے۔ان رابطوں کو استوار رکھنے اور محبتوں کو قائم رکھنے کے لئے دین میں اجتماعات کو لازم ٹھہرایا گیا پھر نبی اکرمؐ نے اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ آپؐ فرمایا کرتے تھے لوگوں! تم اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہو پاؤ گے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوگا جب تلک تم آپس میں محبت نہ کرو اور پھر فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے بندوں آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

عَنْ ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤمِنُوا وَلَا تُؤمِنُوْآ حَتّٰی تَحَابُوْا اَوَلَآ اَدُلُّکُمْ عَلٰی شَئٍی اِذَا فَعَلْتُمُوْہُ تَحَاببْتُمْ اَفْشُوْا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ ۔(مسلم،کتاب الایمان)

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا تم جنت میں نہیں جاسکتے جب تک ایمان دار نہ ہو جاؤ اور تم پورے مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم میں باہم محبت نہ ہو۔ کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتلاؤں ، کہ اگر اس پر عمل کرنے لگو تو تم میں باہمی محبت پیدا ہو جائے وہ بات یہ ہے کہ تم اپنے درمیان سلام کا رواج پھیلاؤ اور اس کو عام کرو۔ اور اس طرح محبتوں کو فروغ دینے کے لئے باہم تحائف کے تبادلوں کی تلقین فرمائی تاکہ مسلمانوں میں محبتیں مستحکم ہو جائیں۔کبھی آقایوں بھی ارشاد فرماتے کہ ایک

مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں جن کی تفصیل یوں بیان فرمائی۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَمْسٌ تَجِبُ لِلْمُسْلِمِ عَلٰى اَخِيْهِ رَدُّ السَّلَامِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاِتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ ۔(مسلم ،ج۲)

حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں ۔سلام کا جواب دینا، بیمار کی تیمارداری کرنا، جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب دینا (یرحمک اللہ کہنا)۔

اور پھر باہمی رابطوں کو تازہ رکھنے کے لئے یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ ایک دوسرے کو سلام بلایا کرو چاہے واقف ہو یا اجنبی ۔حضرت عبداللہ ابن سلام یہودیوں کے بہت بڑے دانشور تھے ۔ان کا کہنا تھا کہ جب نبی مکہ سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو آپکے آنے سے پہلے یہ افواہیں مدینے کی گلی کوچوں میں عام ہو چکی تھیں کہ جو شخص مکہ سے نکل کر مدینے آرہا ہے۔اس نے بھائی کو بھائی سے باپ کو بیٹے سے جدا کردیا ہے اور خاوند اور بیوی کے درمیان اختلافات برپا کردیئے ہیں ۔یہ افواہیں میرے ذہن میں بھی تھیں ۔ میں نے سوچا اس شخص سے براہ راست ملاقات کرکے اس کی گفتگو سنی چاہئے ۔جب آپ تشریف لائے تو میں آپ کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپؐ نے اپنے پہلے خطاب کے اندر یہ فرمایا کہ لوگو،

اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ ۔(صحیح بخاری ومسلم)

سلامتی کا پیغام عام کردو ۔بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو اور رات کی تاریکیوں میں

جب لوگ سو جائیں تو تم اپنے رب کے حضور کھڑے ہوکر نماز ادا کیا کرو۔ میں نے آپ کی گفتگو اور چہرہ دیکھ کر اندازہ لگایا کہ ایسے رخ انور والا جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْاِسْلَامِ خَيْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَاءُ السَّلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ ۔ (جامع ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہؐ سے دریافت کیا کہ بہترین اسلام کیا ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ تو کھانا کھلایا کر اور واقف و ناواقف کو سلام کیا کر

رابطے کے ہمہ گیر اثرات

باہم رابطے کا فائدہ تنظیمی اور دنیاوی اعتبار سے ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ اس کا فائدہ آخرت میں ہوگا۔ حساب و کتاب اور محشر کی سختیاں جب تمام رشتوں کو کاٹ کر رکھ دیں گی تو وہاں اگر کوئی تعلق اور رشتہ سود مند اور ثمر آور ہوگا تو وہ صرف رشتہ ایمان ہی ہوگا جس کی حلاوت اور ثمرات کے بارے میں قرآن و سنت کی مقدس دستاویزات میں بے شمار ارشادات پائے جاتے ہیں۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ۝ يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ۝ (پ ۲۵، الزخرف ۶۷،۶۸)

متقین کے سوائے سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے میرے مومن بندو! آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی تم غمگین ہوگے۔

سیدنا ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليهِ وسلم سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِىْ ظِلِّهٖ يوم

لَا ظِلَّ إِلَا ظِلُّهُ ، اِمَامٌ عَادِلٌ ،وَشَابٌ نَشَاءَ فِی عِبَادَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسْجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَا فِی اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتفَرَقَا عَلَيْهِ إِلٰی آخِرِهٖ ۔(موطا امام مالك ،كتاب الجامع)

کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ سات آدمی ایسے ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا۔ جس دن کوئی اور چیز سایہ فگن نہ ہوگی۔ (ان سات خوش نصیب افراد میں) امام عادل دوسرا نوجوان جو اپنی زندگی اللہ کے احکامات کے مطابق گزارتا ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کی مسجد سے محبت اور خاص تعلق ہے۔ چوتھے وہ افراد جو آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔ اسی کو مستحکم کرنے کے لئے گاہے بگاہے رابطہ رکھتے ہیں۔ اسی مضمون کی تائید میں حسب ذیل ارشادات بھی متحضر ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِیَّ بِجَلَالِی اَلْيَوْمُ اُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّیْ يَوْ مَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّیْ ۔(صحيح مسلم)

اللہ تعالیٰ روز قیامت فرمائے گا آج وہ کہاں ہیں؟ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ آج میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ پاؤ گے۔

رابطے کے آداب

دین حنیف نے جہاں مسلمانوں کو باہم ملاقات اور رابطہ رکھنے کی تلقین فرمائی ہے وہاں ان کو ملاقات اور رابطے کے آداب بھی سکھلائے ہیں تاکہ مسلمان دنیا بھر کی جماعتوں سے زیادہ مہذب اور بااصول جماعت قرار پائیں۔ باہم رابطے اور ملاقات کا پہلا اصول یہ ہے کہ رابطہ صرف اللہ کے لئے ہونا چاہئے۔ کیونکہ اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ

فِی اللّٰہ ۔اس کے ساتھ ہی ایک دوسرے کو ملتے وقت السلام علیکم کہتے ہوئے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ ہونی چاہیئے اِلا یہ کہ آپ کسی فکر مندی یا غم کی حالت میں ہوں۔ کیونکہ مسکرا کر ملنے کو بھی نیکی اور صدقہ قرار دیا گیا ہے۔

لَا تَحْتَقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ ۔

دوران ملاقات ایک دوسرے کی خیر سگالی کے کلمات مثلاً مرحبا

اِذَا اٰخَى الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلْيَسْاَلْهُ عَنْ اِسْمِهٖ وَاِسْمِ اَبِيْهِ وَعَنْ مِمَّنْ هُوَ فَاِنَّهٗ اَوْصَلُ لِلْمَوَدَّةِ۔(مشکوۃ)

جب ایک آدمی دوسرے سے بھائی چارہ کا آغاز کرے تو اس کے والد اور قبیلہ کا نام دریافت کرنا چاہیئے۔اس سے باہم محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد اگر دوسرے کا حرج نہ ہو تو مصافحہ بھی کرنا چاہیئے۔بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ ملاقات کے وقت دوسرے کے ہاتھ میں پانی کا گلاس یا روٹی کا لقمہ ہوتا ہے پھر ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے ایک آدمی ریسیور ہاتھ میں لئے فون پر بات کر رہا ہوتا ہے یا لکھنے میں مصروف ہوتا ہے تو کئی پڑھے لکھے حضرات بھی اسی حالت میں مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھائے جا رہے ہوتے ہیں۔اس لئے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ کا فتویٰ ہے کہ ملتے وقت دوسرے کا حرج ہو یا ملنے والا مصافحے کے موڈ میں نہ ہو یا مصروف ہو تو اس سے مصافحہ نہیں کرنا چاہیئے۔(فتاویٰ ثنائیہ)

بلکہ سلام کر کے بیٹھ جانا چاہیئے۔یہی کیفیت کسی مجلس میں جانے کی ہے۔آپ کسی مجلس میں گئے وہاں لوگ باہم گفتگو یا کسی کا خطاب سن رہے ہیں تو دانائی اور دانشمندی یہی ہے کہ سلام اس لہجے یا اشارے سے کریں کہ خیر اور نیکی کی جاری مجلس میں خلل

واقع نہ ہو۔ جب مجلس برخاست ہو جائے اور مناسب موقعہ ہو تو مصافحہ یا معانقہ کریں۔ جس کو خدا نے عقل و بصیرت سے نوازا ہے۔ وہ خود اندازہ کر لیتا ہے کہ کن حالات میں مصافحہ اور معانقہ کرنا چاہئے۔ اس سے ملتا جلتا واقعہ نبی اکرمؐ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ وفد عبدالقیس عام ۹ ہجری میں نبی اکرمؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ وفد میں تقریباً تیرہ آدمی تھے وفد کا سربراہ الاشج العصری تھا۔ یہ لوگ جوں ہی مسجد نبوی کے پاس آئے تو انہوں نے نہ تو اپنے اونٹوں سے سامان اتارا اور نہ ہی اپنا لباس درست کیا۔ کپڑوں اور چہروں کو صاف کئے بغیر ملاقات کے لئے ایک دوسرے سے سبقت حاصل کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے جبکہ ان کے سربراہ نے سامان ایک طرف رکھا اور اپنے چہرے اور کپڑوں سے گرد و غبار صاف کیا پھر نہایت سکون کے ساتھ نبی اکرمؐ کی خدمت اطہر میں حاضری دی۔ نبی اکرمؐ نے اس سردار کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ آپ میں دو خوبیاں ہیں جو اللہ کو بہت پسند ہیں۔ ایک حوصلہ اور بردباری، دوسری دانائی اور دانش مندی۔ (سیرت النبیؐ)

اسی طرح بہتر یہی ہے کہ جب آپ کسی سے ملاقات کے لئے جائیں تو اس سے وقت لیا جائے یا کم از کم آپ کو ان کے معمولات اور مصروفیات کا علم ہونا چاہئے تاکہ نہ اس کو تکلیف ہو اور نہ ہی آپ کو زحمت اٹھانی پڑے۔ ہاں اگر بغیر اطلاع کے کسی کے گھر جائیں تو اس کی مرضی ہے کہ وہ آپ کو ملاقات کے لئے وقت دے یا نہ دے۔ اگر اس کے پاس وقت نہ ہو تو آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ قرآن پاک کا یہی ارشاد ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۝ (پ۱۸، سورۃ نور ۲۷)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ گھر والوں کی اجازت نہ ہو اور گھر والوں کو سلام نہ کہہ لو۔ یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم خیال رکھو گے۔

جماعتوں کے ذمہ دار اور لوگوں کی خدمت پر مامور افسران کی صورت قدرے مختلف ہے۔ دفتری اوقات میں ملاقات کے لئے وقت نہ لیا جائے تو چنداں حرج نہیں کیونکہ دفتر میں بیٹھنے کا مقصد ہی عوام کی خدمت اور رابطہ ہے۔ تاہم خصوصی میٹنگ یا کام میں مصروف عہدے دار سے اجازت لینی چاہئے کیونکہ وہ دوسروں کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں جو بالواسطہ آپ کی ہی خدمت ہے۔ تاہم گھر میں ملاقات کے لئے وقت دینا ان کی مرضی اور حالات پر منحصر ہے۔ سوائے ایمرجنسی کے حتی الوسع پرہیز کرنا چاہئے۔ اس طرح ملاقات کے آداب میں یہ بات بھی شامل ہے۔ کہ جوں ہی آپ کی بات اور مطلب پورا ہو آپ اجازت لے کر اٹھ جائیں تاکہ آپ کا اور دوسرے کا وقت ضائع نہ ہو، سوائے اس کے کہ میزبان کی چاہت ہو کہ آپ مزید تشریف رکھیں۔

انتخاب امیر

اسلام نے امت مسلمہ کے لئے امیر منتخب کرنے کا کوئی خاص طریقہ متعین نہیں فرمایا بلکہ انتخاب امیر کو مسلمانوں کے معروضی حالات پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ باہمی مشورے سے جس طرح چاہیں کسی اہل شخص کو اپنا امیر منتخب کرلیں۔ اس ضمن میں بنیادی شرط یہ ہے کہ اس ذمہ داری کو امانت سمجھ کر کسی کے سپرد کیا جائے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۝ (پ ۵، النساء ۵۸)

مسلمانوں! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں، دیانت دار لوگوں کے سپرد کیا کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔

اس اصول کی پاسداری کرتے ہوئے مسلمان جس طرح مناسب سمجھیں کسی باصلاحیت آدمی کو امیر منتخب کر لیں۔ اسی لئے نبی اکرمؐ نے اپنے بعد آنے والے خلیفہ یعنی ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں اشارات تو فرمائے ہیں لیکن انہیں نامزد نہیں فرمایا۔

لَقَدْ هَمَمْتُ اِذَا رَدتُ اَنْ اُرْسِلَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ وَابْنِہٖ وَاُعْهِدُ اَنْ یَّقُوْلَ الْقَائِلُوْنَ وَیَتَمَنّٰی الْمُتَمَنُّوْنَ ثُمَّ قُلْتَ یَاْبَی اللّٰہُ وَیَدْفَعُ الْمُؤْمِنُوْنَ اَوْیَدْفَعُ اللّٰہُ وَیَاْبَی الْمُؤْمِنُوْنَ ۔(بخاری ،کتاب المرضی)(مسلم باب فضائل ابوبکر)

رسول اکرمؐ فرماتے ہیں میں نے ارادہ کیا کہ ابوبکرؓ اور ان کے صاحبزادے کو بلا کر ابوبکرؓ کو اپنا جانشین مقرر کر دوں تاکہ میرے بعد کوئی خلافت کی آرزو رکھنے والا اپنی خواہش کا اظہار نہ کرے۔ پھر میں نے سوچا کہ اللہ تعالیٰ کسی اور کو خلیفہ نہیں بننے دے گا اور نہ ہی مسلمان اسے قبول کریں گے۔

لیکن ابوبکر صدیقؓ نے حالات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اپنی وفات سے قبل حضرت عمرؓ کو نامزد فرمایا۔ پھر ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ میں رب کی بارگاہ میں عرض کروں گا کہ نبیؐ کی امت میں سب سے لائق انسان کو اپنے بعد خلیفہ بنا کر آیا ہوں اس کی نامزدگی کے لئے بھی احادیث کی کتابوں میں کھلے اشارات پائے جاتے ہیں جن میں ایک ملاحظہ کیجئے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمِ یَقُوْلُ بَیْنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَیْتُنِیْ عَلٰی قَلِیْبٍ عَلَیْهَا وَلَوْ فَنَزَعْتُ مِنْهَا مَا شَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ اَخَذَهَا

اِبنُ اَبِی قُحَافَةَ فَنَزَعَ مِنهَا ذَنُوبًا اَو ذَنُوبَینِ وَفِیْ نَزعِهٖ ضُعفٌ وَاللّٰهِ یَغفِرُلَهٗ ضَعفُهٗ ثُمَّ اِستَحَالَت غَربًا فَاَخَذَهَا اِبنُ الْخَطَّابِ فَلَمْ اَرَ عَبقَرِیًا مِنَ النَّاسِ یَنزِعُ نَزعَ عُمَرَ حَتّٰی ضَرَبَ النَّاسُ بِعَطَنٍ۔(متفق علیه)

سیدنا ابو ھریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ سے سنا ہے وہ فرمارہے تھے کہ میں ایک دن سویا ہوا تھا۔ دریں اثنا خود کو بے منڈھیر کنویں پر دیکھا جس پر ایک ڈول ہے تو میں نے اس کنویں سے جتنا اللہ نے چاہا پانی نکالا۔ پھر ڈول حضرت ابو بکرؓ نے لے لیا۔ ان کے پانی نکالنے میں کچھ کمزوری تھی جسے اللہ نے معاف فرما دیا۔ بعد ازاں وہ ڈول حضرت عمرؓ نے لیا تو بے مثال ہمت کا مظاہرہ کیا۔ لوگ خوشحال ہو گئے حتی کہ جانوروں کو بھی سیراب کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے بعد نیکی اور علو مرتبت کے اعتبار سے افراد کی درجہ بندی تو موجود ہے لیکن خلافت کے حوالے سے حدیث کی مقدس دستاویزات میں سکوت پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے حضرت عمرؓ آخری سالوں میں آئندہ خلیفہ کے بارے میں غلطاں و پیچاں رہے۔

صحابہؓ کہتے ہیں کئی بار ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ تنہا بیٹھے گہری سوچوں میں مستغرق پائے گئے پوچھنے پر پتہ چلا کہ مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں فکرمندی کا شکار ہیں۔ بالآخر جب شہادت کا وقت قریب آیا تو لوگوں کے بار بار مطالبے کے جواب میں فرمایا کاش ابو عبیدہ بن جراحؓ یا حضرت سالمؓ زندہ ہوتے تو میں ان میں سے کسی کو امیر نامزد کر دیتا۔

عَن عَبدِ اللّٰهِ بن عُمر قال قِیل لِعُمرَ الا تستَخلِفُ قالَ اِن استَخلِف فقد استخلف من هو خیرٌ منی اَبُو بکرٍ و ان ترکتُ فقد ترَک من هو خیرٌ منی رَسُولُ الله صلی الله علیه وسلَم ۔(البدایه والنهایة)

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے تو ان سے درخواست کی گئی کہ آپ کسی کو خلیفہ نامزد فرما دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ یہ حضرت ابو بکرؓ کا طریقہ ہوگا جو مجھ سے بہتر تھے اور اگر میں کسی کو خلیفہ نہ بناؤں تو یہ بھی مناسب ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کسی کو مقرر نہیں کیا تھا جب کہ آپ ﷺ سب سے بہتر تھے۔ انہوں نے مدتوں حالات کا وسیع تر جائزہ لیتے ہوئے تیسرا طریقہ اختیار کیا۔ بے انتہا سوچ و بچار کے باوجود ان کی نظر انتخاب کسی ایک شخصیت پر قانع نہ ہو پائی۔ آخر حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کی کمیٹی کا اعلان کیا جو عشرہ مبشرہ پر مشتمل تھی۔ دس میں سے دو پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ابو بکرؓ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ باقی آٹھ میں سے ایک فاروق اعظمؓ خود تھے۔ ساتویں حضرت سعیدؓ کو خلافت کمیٹی میں اس لئے شامل نہ کیا کہ وہ ان کے چچازاد بھائی اور بہنوئی تھے۔ یہی پالیسی اپنے بیٹے کے بارے میں اختیار کی لوگوں کے زبردست مطالبے کے باوجود حضرت عبداللہ کو کوئی ذمہ داری نہ دی۔ صحابہؓ کے بار بار اصرار کے بعد فقط یہ اجازت دی کہ اگر تم ضروری سمجھتے ہو تو آئندہ قیادت کے بارے میں عبداللہؓ کو مشورہ میں شامل کر لینا لیکن حکومت اس کے سپرد نہیں کی جا سکتی۔

انتخابی بورڈ اور الیکشن کمشنر

انتخابی بورڈ نے کئی اجلاسوں کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو اختیار دیا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں سے جس کو چاہیں خلیفہ بنا دیں۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے تین دن رات مسلسل صحابہؓ اور عام لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ سے ایک خصوصی عہد لیتے ہوئے انکی خلافت کا اعلان کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کو بلوائیوں (قاتلان عثمانؓ) نے مجبور کیا کہ وہ خلافت کی ذمہ داریوں کو اٹھائیں۔ ابتداً حضرت علیؓ اس انداز سے خلافت قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے لیکن حالات کی سنگینی کو دیکھ کر انہوں نے اس بارگراں کو اٹھالیا۔ خلافت کے فوراً بعد حضرت معاویہؓ کے ساتھ اختلافات پیدا ہو گئے جن کی وجہ سے حکومت میں شدید بحران پیدا ہوا۔ نتیجتاً دنیا کی سب سے بڑی مملکت اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ حضرت علیؓ خارجیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے تو ان کے بعد حضرت حسنؓ کوفے کے امیر المؤمنین بنے۔ حضرت حسنؓ کمال خلوص کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت امیر معاویہؓ کے حق میں مستعفی ہو گئے اب حضرت معاویہؓ بلاشرکت غیر مسلمانوں کے خلیفہ ہو گئے۔ امیر معاویہؓ نے تقریباً بیس سال خلافت کی اور آخری سالوں میں امت کو آئندہ اختلافات سے بچانے کی خاطر اپنے بیٹے کی نامزدگی کے لئے وسیع تر اعتماد لینے کی کوشش کی۔

امیر معاویہؓ نے دنیا کی سب سے بڑی مملکت کے مکہ و مدینہ سمیت صوبوں کے گورنروں کو لکھا کہ اپنے اپنے علاقے کے ارباب حل وعقد سے رائے لے کر اس تجویز کے بارے میں مجھے آگاہ کریں۔ تمام لوگوں نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اس بات کی تائید کی سوائے عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت حسینؓ کے۔ ان بزرگوں نے یزید کی ولی عہدی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔

یہ بات احادیث اور تاریخ کی روشنی میں واضح ہے کہ چاروں خلفاء الگ الگ طریقے سے مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔

ا۔ لوگوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ (نبی اکرمؐ)

۲۔ نامزدگی۔ (حضرت ابوبکرؓ)

۳۔ انتخابی ادارہ قائم کیا۔ (حضرت عمرؓ)

۴۔ پریشر گروپ کے ذریعے۔ حضرت علیؓ (سیدنا حضرت علیؓ کا اس پریشر میں ہرگز کوئی حصہ نہیں تھا)

موجودہ دور میں مسلمانوں کی ایمانی حالت اور اخلاقی قدریں اتنی صحت مند نہیں رہیں آج فکری طوائف الملوکی، دنیا کی حرص وہوس، پھر دشمن کی ریشہ دوانیاں، ان حالات میں جماعت کو کھلا چھوڑ دیا جائے تو اس سے مزید انتشار کا خطرہ اور باقی ماندہ وحدت ختم ہونے کا خدشہ ہے۔ نامزدگی کے لئے بھی ایسی شخصیت اور اتھارٹی کا ہونا ضروری ہے جس کے فیصلے طوعاً وکرھاً قبول کرلیں تاکہ ملک اور ملت ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جائے۔ موجودہ حالت میں ایسے طریقے سے امیر/سربراہ مملکت، منتخب کیا جائے جس طریقہ کار پر زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اعتماد میں لیا جاسکے۔

انتخاب امیر کی بحث کا خلاصہ

یقیناً آپ آگے پڑھیں گے کہ حنین کے موقعہ پر قیدیوں کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہوا۔ جس کی وجہ سے رائے عامہ واضح نہ ہوسکی تو آپؐ نے فرمایا کہ آپ سب اپنے اپنے یونٹوں میں چلے جائیں۔ وہاں مشورہ کرکے اپنے نمائندوں کو میرے پاس بھیجیں تاکہ میں کسی فیصلے تک پہنچ سکوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے بیعت سقیفہ بنی ساعدہ کے باوجود اگلے دن مسجد نبویؐ میں بیعت عام لیتے ہوئے، ان الفاظ سے آزادی انتخاب کا اشارہ دیا کہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ گویا کہ ان کا یہ فرمان اور اقدام انتخابی عمل میں توسیع کے مترادف تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا انتخابی عمل کو وسیع تر کرتے ہوئے خلافت عثمانؓ کے لئے عام وخاص حتی کہ راہ گیروں اور امہات المؤمنینؓ سے مشورہ

کرنا، بدلتے ہوئے حالات کے تحت اس منصب کو زیادہ سے زیادہ قابل اعتماد بنانے کی کوشش تھی۔ حضرت علیؓ نے حالات کے جبر کے تحت جمعرات کو بیعت قبول لی لیکن پھر اگلے دن خطبہ جمعہ میں اس نازک صورت حال کو بیان کرتے ہوئے دوبارہ موقع دیا کہ جس کو چاہیں امیر بنالیں۔ ان کے بعد امیر معاویہؓ کا اپنے بیٹے یزید کے لئے ملک گیر بنیادوں پر اعتماد کا ووٹ لینا، اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ حالات و واقعات کو سامنے رکھ کر اس منصب کے لئے زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل کرنا، دینی، سیاسی اور انتظامی لحاظ سے نہ صرف بہتر ہے بلکہ آقائے دو جہاں کی سنت اور خلفائے راشدین کے طریقے کی پیروی ہے

کیا امیر کو معزول کیا جا سکتا ہے؟

آج دینی حلقوں کی فکر میں یہ جھول بھی پائی جاتی ہے کہ جس شخص کو امیر منتخب کرلیا جائے اسے معزول نہیں کیا جا سکتا۔ سوائے اس کے جب تک اس میں واضح کفر نہ پایا جائے اس کے ساتھ ہی وہ خلفاء کے تواتر وتعامل کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں بلاشبہ کفر بواح تو نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے جس کو نہ ماننا ایمان کو خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے لیکن خلفا کے تواتر کی دلیل حقائق کے ترازو میں زیادہ وزن نہیں رکھتی اس لئے کہ سیدنا ابوبکرؓ اور عمرؓ کو ان حالات کے ساتھ واسطہ ہی نہیں پڑا جن میں لوگ ان کی معزولی کے بارے میں سوچتے۔

ان کے بعد حضرت عثمانؓ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کرنے والے صحابہ کرامؓ کی بجائے وہ لوگ تھے جو افکار و کردار کے اعتبار سے اعلیٰ معیار کے حامل نہیں تھے۔ پھر اس مطالبے کے پیچھے یہودی سازش بھی کارفرما تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کے مطالبے کو

اس لئے بھی درخور اعتنا نہیں سمجھا کیونکہ ان کی خلافت کے بارے میں نبی اکرمؐ نے یہ ارشاد عالی جاری فرما کر آئینی تحفظ فراہم کیا تھا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ قَالَ يَا عُثْمَانُ اِنَّهُ لَعَلَّ اللّٰهَ يُقَمِّصُكَ قَمِيْصًا فَاِنْ اَرَادُوْكَ عَلٰى خَلْعِهِ فَلَا تَخْلَعْهُ لَهُمْ ۔(جامع ترمذی)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا ممکن ہے اللہ تعالیٰ آپؓ کو ایک خلعت سے مزین فرمائے۔ ایسی صورت میں کچھ لوگ آپؓ سے اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم اسے (خلعت خلافت) کو ہرگز نہ اتارنا۔

شہادت عثمانؓ کے بعد جونہی حضرت علیؓ خلافت پر متمکن ہوئے تو ایسے حالات وواقعات پیدا ہوئے کہ دنیا کی عظیم ترین مملکت اور جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور یہ اختلافات اس قدر اندوہناک صورت اختیار کر گئے کہ بالآخر امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگ برپا ہوئی جس میں ہزاروں صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے۔

اس اذیت ناک صورت حال پر قابو پانے کے لئے حضرت علیؓ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاصؓ کو مکمل اختیارات کے ساتھ ثالث مقرر کیا گیا۔ انہوں نے باہم افہام وتفہیم کے بعد یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان دونوں بزرگوں کو حکومت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دینا چاہئے تفصیلات کے لئے البدایہ والنہایہ اور تاریخ کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اگر امیر کو معزول نہیں کیا جا سکتا تو پھر ان دونوں اصحابؓ نے اس بات پر کیوں اتفاق کیا تھا؟ اسی لئے ہم نے عرض کیا ہے کہ اس مسئلے میں تواتر خلافت کو حجت اور دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ اسلام کا کون سا حکم ہے جس میں استثنائی صورت کو برقرار نہیں

رکھا گیا۔ نازک حالات میں روزہ توڑا جا سکتا ہے۔ نمازی نماز سے الگ ہو سکتا ہے۔ اعتکاف سے اٹھا جا سکتا ہے اور سماجی زندگی میں میاں بیوی کے درمیان طلاق ہو سکتی (جو کہ معاشرہ، خاندان اور معاشرتی زندگی کی وحدت کا بہت بڑا ذریعہ ہیں) جبکہ اس رشتہ کی عظمت اور تقدس کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے صرف ایک آیت کے اندر چار مرتبہ اس کو حدود اللہ قرار دیا ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (پ۲ البقرہ، ۲۲۹)

شریعت نے استثناء کی حدود کو اس قدر وسعت دی ہے کہ (کمزور آدمی) جان بچانے کے لئے وقتی طور پر کلمہ کفر بھی کہہ سکتا ہے بشرطیکہ اس کے دل میں کھوٹ نہ ہو۔

اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ (پ ۱۴، النحل ۱۰۶)

کیا منصب امارت کے عزل ونصب میں یہی کوئی استثناء موجود نہیں؟ یہ مسلمہ حقیقت ہے جو اتھارٹی کسی کو منصب پر جلوہ نما کرتی ہے تو اسے مخصوص حالات میں یہ اختیار بھی ہونا چاہئے کہ وہ اسے الگ کر سکے۔ خصوصاً جب ملک وملت کو نقصان پہنچ رہا ہو۔ اسی لئے بڑے بڑے ائمہ کرامؒ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ ناگزیر حالات میں امیر کو مستعفی ہو جانا چاہئے۔ بصورت دیگر اسے معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔ ماضی قریب میں سعودی حکمران بنایا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد اسے بوجوہ معزول کر کے فیصل مرحوم کو سعودی عرب کا

فرمانروا بنایا گیا تھا اور وہاں کے مفتی اعظم سمیت سب نے اس بات کی تائید کی تھی۔
ان حقائق اور شواہد کی روشنی میں جماعت اور ملک وملت کی بھلائی اسی میں ہے کہ بوقت ضرورت امیر کو معزول کیا جا سکے لیکن یہ اقدام نازک ترین اور غیر معمولی حالات میں اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے اس لئے کہ کہیں اس منصب کو بازیچہ طفلاں ہی نہ بنا لیا جائے کیونکہ یہ ایک شخص کے عزل ونصب کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ملک وملت کی وحدت اور عظمت وابستہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سربراہ قوم کو الگ کرنے کے وقت ملکوں اور جماعتوں میں ہیجان اور بحران پیدا ہو جاتا ہے۔ اس تبدیلی میں بسا اوقات قومیں اور ملک زوال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے آج سربراہ کے انتخاب سے پہلے طے کر لیا جاتا ہے کہ سربراہ کو اتنی مدت کے بعد دوبارہ انتخاب کروانا ہوں گے تاکہ اگر وہ نااہل ہے تو بغیر فتنہ وفساد کوئی تبدیلی لائی جا سکے۔ موجودہ دور میں یہ بہترین طریقہ ہے بشرطیکہ اس پر ٹھیک طریقے سے عمل کیا جائے۔

قیادت کے افکار وکردار کے اثرات عوام پر

قیادت کی نیت وکردار کا عوام پر گہرا اثر ہوتا ہے۔ کنز العمال میں نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے اعمالکم عمالکم جیسے تمہارے اعمال اور کردار ہوں گے ویسے ہی تمہارے حاکم ہوں گے۔ آپؐ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ جیسا معاشرہ ہوگا ویسی ہی قیادت اس معاشرہ سے ابھر کر سامنے آئے گی۔ بڑوں کی زندگی کے اثرات تو بڑے نمایاں ہوتے ہیں اور عوام اس کا بہت جلد اثر قبول کرتے ہیں۔ قیادت اگر کفایت شعار اور سادگی پسند ہو تو لامحالہ قوم کے اکثر افراد بھی سادگی کو ہی اپنا شعار بنائیں گے لیکن اگر قیادت پر تکلف اور نمود ونمائش کو اختیار کئے ہوئے ہو تو قوم سے سادگی کی توقع رکھنا

بے معنی بات ہے۔ جس طرح بڑے لوگوں کے کردار کے اثرات ہوتے ہیں اسی طرح ان کی نیتوں کے اثرات بھی ہوتے ہیں۔ اگر ایک شخص سوسائٹی کا معمولی آدمی ہے تو اس کی نیت و کردار کے اثرات محدود تر ہوں گے جب کہ معاشرہ کے موثر افراد کے اعمال اور افکار لوگوں پر لامحدود اثرات مرتب کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے معاشرہ کے ان بنیادی عناصر کے بارے یوں فرمایا ہے۔

وَإِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا○ (پ ۱۵، بنی اسرائیل ۱۶)

جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے خوشحال لوگوں کو حکم (مہلت) دیتے ہیں اور وہ اس میں نافرمانیاں کرنے لگتے ہیں تب عذاب کا فیصلہ اس بستی پر صادر ہوتا ہے اور ہم اسے برباد کر کے رکھ دیتے ہیں۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا○ (پ ۲۲، الاحزاب ۶۷)

اور کہیں گے اے رب ہمارے ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں راہ راست سے بھٹکا دیا۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا○ (پ ۲۲، الاحزاب ۶۸)

اے ہمارے رب ان کو دوہرا عذاب دے اور ان پر سخت لعنت کر۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ○ (پ ۸، الانعام ۱۲۳)

اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو لگا دیا کہ وہ اپنے

مکروفریب کا جال پھیلائیں۔دراصل وہ اپنے فریب کے جال میں آپ پھنستے ہیں، مگرانہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

جس طرح نا اہل اور بری قیادت کے افعال و اعمال کے اثرات اور نحوست پورے معاشرےاور جماعتوں کواپنی لپیٹ میں لےکران کی صلاحیتوں کونا کارہ بنادیتے ہیں۔ اس کے برعکس نیک اور صالح قیادت کے کردار کا حسن نیت کے اثرات بھی نمایاں اور واضح دکھائی دیتے ہیں۔اخلاص نیت ایک ایسی حقیقت ہے جو چھپانے کے باوجود اپنی تاثیر سے جماعت، معاشرہ اور قوم کو متاثر کیئے بغیرنہیں چھوڑتی ۔اگر خلوص نیت کے ساتھ جماعت کی خدمت بجالائی جائے تو کوئی وجہ ہی نہیں کہ جماعت کے اندر بہتر جذبہ پیدا نہ ہو۔ یہ ایک فطری تاثر ہے جو بالاخر جماعت کے مجموعی افراد پر مرتب ہوتا ہے۔تاریخ اسلام کے بے شمار واقعات اس حقیقت کی زندہ شہادت ہیں کہ جب مسلمان قیادتوں نے عدل وانصاف کے ترازوں کوقائم کیاتو وحشی جانور بھی انسانوں کو چیر پھاڑ کرنے کی بجائے ان کے محافظ بن گئے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی مشہور کتاب تاریخ ابن کثیر میں حکمرانوں کی نیتوں کے اثرات کے حوالے سے کئی واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ولید بن عبدالملک تعمیرات اور عمارات کا گرویدہ تھا۔اس کے زمانے میں بننے والی عمارتوں نے تاریخ میں بڑی شہرت حاصل کی ۔اس دور میں جب لوگ ایک دوسرے سے ملتے تو سب سے پہلے یہی پوچھا کرتے تھے کہ تمہارے کتنے مکانات ہیں اور کون کون سے شہر واقع ہیں۔

جب سلیمان بن عبدالملک کا دور آیا تو لوگ ایک دوسرے سے شادیوں کے بارے میں پوچھا کرتے تھے کیونکہ بادشاہ کا رجحان عورتوں کی طرف حد اعتدال سے زیادہ تھا

جب عمرؒ بن عبدالعزیز کا مبارک دور آیا تو لوگ ملاقات کے دوران ایک دوسرے سے یہ استفسار کرتے کہ آپ نے نماز تہجد میں کتنا قیام کیا اور ایک دوسرے سے یہ بھی پوچھا جاتا کہ آپ ہر روز کتنا قرآن پاک تلاوت کرتے ہیں۔

امیر کے ذاتی اوصاف

صحت وتندرستی:

جتنے بھی انبیاء دنیا میں جلوہ گر ہوئے ان میں اور خوبیوں کے ساتھ یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہوتی تھی کہ وہ صحت اور تندرستی کے اعتبار سے بے شمار لوگوں سے کہیں زیادہ توانا اور تندرست ہوتے تھے کیونکہ صحت مند آدمی ہی کسی کی خدمت کے قابل اور کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتا ہے۔لیکن افسوس بعض دینی حلقوں میں یہ بھی غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ وہ بوڑھے آدمی کے بغیر کسی دوسرے کو ذہنی طور پر امیر ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوتے۔انہیں یہ زعم ہے کہ بڑی عمر کی وجہ سے لوگ ایسے امیر کا احترام زیادہ کرتے ہیں اور ایسا امیر عام لوگوں سے زیادہ ثقہ ہوتا ہے۔جہاں تک ثقاہت اور پختہ کاری کا معاملہ ہے یہ تو جذبے اور میدان عمل میں کودے بغیر ممکن نہیں ۔ کتنے ہی بزرگ ایسے ہیں جن کی نیکی ،تقویٰ اور بزرگی مسلمہ مگر ثقاہت نام کی کوئی چیز ان کے قریب سے بھی نہیں گزرتی ۔عمر ہی بزرگی یا منصب کی اہلیت کا معیار نہیں ہونا چاہئے بلکہ ترجیحاً ایسے شخص کو امیر بنایا جائے جو عہدے کے متعلق دوسرے اوصاف سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ جواں سال اور جواں مرد بھی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھرپور جوانی میں انبیاء کو نبوت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اکرمؐ کے ارشادات گرامی بھی اس بات کی راہنمائی کرتے ہیں۔

قوی مومن کمزور سے بہتر ہے (الحدیث)

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ (پ۱۲، یوسف۲۲)

جب موسیٰ بھرپور نوجوان ہو گئے تو ہم نے اسے حکم اور علم عطا کیا۔ ہم نیک لوگوں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں۔

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○ (پ۲، البقرۃ۲۴۷)

پیغمبر نے فرمایا، اللہ نے اس شخص کو تمہارا سربراہ مقرر کیا ہے جس کو علمی اور جسمانی اعتبار سے تمہارے مقابلے میں برتری عطا کی گئی ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے، وہ بڑی وسعت اور علم والا ہے۔

سُئِلَ الْاِمَامُ اَحْمَدَ

عَنْ رَجُلَيْنِ يَكُوْنَانِ اَمِيْرَيْنِ فِي الْغَزْوِ وَاَحَدُهُمَا قَوِيٌّ فَاجِرٌ وَالْآخَرُ صَالِحٌ ضَعِيْفٌ مَعَ اَيِّهِمَا يُغْزٰى ؟

فَقَالَ اَمَّا الْفَاجِرُ الْقَوِيُّ ، فَقُوَّتُهٗ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَفُجُوْرُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ، وَاَمَّا الصَّالِحُ الضَّعِيْفُ فَصَلَاحُهٗ لِنَفْسِهٖ وَضَعْفُهٗ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَيُغْزٰى مَعَ الْقَوِيِّ الْفَاجِرِ وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ إِنَّ اللّٰهَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ ۔

حضرت علامہ ابن تیمیہؒ سے دریافت کیا گیا دو ایسے آدمیوں کے متعلق جن میں سے ایک طاقتور ہے مگر فاجر ہے۔ دوسرا نیک ہے مگر کمزور ہے۔ تو ان دونوں میں سے کسکو غزوے میں امیر بنایا جائے؟

علامہ موصوفؒ نے فرمایا۔

فاجر طاقتور کو، کیونکہ اس کی قوت تو مسلمانوں کے حق میں استعمال ہوگی جبکہ اس کی برائی کی زد اس کی ذات پر پڑھے گی۔ جو نیک ہے مگر کمزور ہے تو اس کی نیکی اس کی اپنی ذات کے واسطے ہے جبکہ اس کی کمزوری کا اثر مسلمانوں پر پڑے گا۔اس لئے غزوے میں قوی فاجر ہی کو امیر بنانا چاہیے۔

چنانچہ نبیؐ نے فرمایا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے دین کو گنہگار شخص کے ذریعے بھی تقویت پہنچادیتا ہے۔ (فتاوی ابن تیمیہؒ جلد ۲۸)

اخلاق و کردار:

قیادت کے اثرات کے حوالے سے یہ ذکر ہوچکا ہے کہ قائد جماعت کا کردار اجتماعی زندگی پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔آدمی کا کردار کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو اگر اس کی بول چال میں اور میل جول میں نرمی اور ملائمت نہیں پائی جاتی تو لوگ اس کے قریب آنے کی بجائے دور ہوتے چلے جائیں گے۔اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو بااخلاق ہونا چاہیے۔بالخصوص جس شخص نے قوم کی امامت وقیادت کرنا ہے اسے اپنے آپ پر ضبط کرتے ہوئے لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔کیونکہ اس کے بغیر لوگوں کا قائد کے قریب رہنا، جماعت بندی کا عمل ناممکن ہوجاتا ہے۔اخلاق حسنہ اور کارکنان کے ساتھ محبت سے پیش آنے کی تلقین کرتے ہوئے آپ کو اس طرح مخاطب کیا گیا۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران ۱۵۹۔پ ٤)

اے پیغمبر! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ہو۔ ورنہ اگر تم تندخو اور سنگدل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو، اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

علم وبصیرت:

انعامات خداوندی میں علم وبصیرت، حکمت ودانائی ایک خاص عطیہ رب کریم ہے۔ علم کی دولت سے مالا مال ہونے کی بنا پر حضرت آدم علیہ السلام نے پہلے ہی قدم پر تمام ملائکہ پر برتری حاصل کرلی تھی۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝ (پ ۱، البقرة ۳۱ تا ۳۳)

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے۔ (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ انہوں نے عرض کیا، نقص سے پاک تو آپ ہی کی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو عطا کیا ہے۔ حقیقت

میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں ۔ پھر اللہ نے آدم سے کہا تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ جب اس نے ان کو ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔

اس لئے قرآن وسنت میں علم والوں کو دوسرے لوگوں سے ممتاز رکھا گیا ہے۔علم کے نتیجے میں جو روشنی حاصل ہوتی ہے میرے نزدیک اسے ہی بصیرت سے تعبیر کیا جانا چاہئے ۔علم بڑی دولت اور نعمت ہے لیکن اس کو استعمال اور اس سے ٹھیک ٹھیک استفادہ وہ شخص کرسکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت وبصیرت سے سرفراز فرمایا ہو۔

ارشاد خداوندی ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ٥(پ ٣، البقرة ٢٦٩)

جس کو حکمت ملی، اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی۔ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔

بصیرت وحکمت کے بغیر علم کا استعمال بعض دفعہ بہتر نتیجہ برآمد نہیں کرتا۔بعض صاحب علم مسئلہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں جس سے ان کی گفتگو میں علم کے باوجود دانائی اور بصیرت کا فقدان دکھائی دیتا ہے۔اور لوگ کسی شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔اسی لئے قرآن پاک نے بصیرت کو حکمت ودانائی کا نام دے کر اس کو الگ بیان کیا ہے۔ بالفاظ دیگر علم راستے کے نشیب وفراز سے آگاہ کرتا ہے اور بصیرت اس پر چلنے کا سلیقہ سمجھاتی ہے

اُدْعُ إِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۝(پ ۱۴،النحل ۱۲۵)

اے نبیؐ اپنے رب کے راستے کی دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝(پ ۱۴،النحل ۱۲۵)

تم ان سے کہہ دو کہ میرا راستہ تو یہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں خود بھی مکمل روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

نبی اکرمؐ ذاتی بصیرت کے اعتبار سے بھی بنی نوع انسان میں منفرد مقام کے حامل تھے اسی بصیرت کا کرشمہ تھا کہ جب آپ کی عمر مبارک ۳۵ سال کی ہوئی تو قریب تھا کہ تعمیر کعبہ کے دوران حجر اسود نصب کرتے وقت مکہ کے گلی کوچے کشت وخون سے رنگین ہو جاتے۔ لیکن آپؐ نے خداداد بصیرت سے کام لیتے ہوئے ایسا فیصلہ کیا جس سے بڑے بڑے بزرگ انگشت بدنداں رہ گئے۔

اسی طرح بدر کے معرکے سے پہلے دو کافر پکڑ کر نبیؐ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپؐ اس وقت اپنے خیمے میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پکڑنے والے صحابہؓ نے ان دونوں کو بہت مارا پیٹا کہ وہ بتلائیں کہ کفار کے لشکر کی کتنی تعداد ہے لیکن انہوں نے یہ کہا کہ ہم لشکر کی تعداد نہیں جانتے۔ نبی اکرمؐ نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے اس کو اپنے پاس بلایا۔ پہلے ان سے ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ جب محسوس کیا کہ ان کا ذہن نارمل ہو گیا ہے تو اچانک سوال کیا کہ لشکر والے کتنے اونٹ ہر روز ذبح کرتے ہیں انہوں نے کہا آٹھ یا نو۔ آپؐ صحابہ کرامؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں کہ لشکر کی

تعداد ایک ہزار ہے۔ یہ ہے وہ خداداد بصیرت جس سے افراد اور قومیں ترقی کرتی ہیں جماعت کے قائد یا عہدے دار میں جتنی بصیرت ہوگی اتنا ہی وہ جماعت کامیابیوں کے زینوں پر زینت افروز ہوتی چلی جائے گی۔

تقویٰ:

دینی حلقوں میں یہ بات بھی بڑی شدومد کے ساتھ بیان کی جاتی ہے کہ امیر سب سے زیادہ پرہیزگار ہونا چاہئے۔ اس کے لئے وہ قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ أَتْقٰكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ یقیناً اللہ سب کچھ جاننے والا اور باخبر ہے۔

حالانکہ نبی اکرمؐ نے قیادت اور سربراہی کے لئے تقویٰ کو اس انداز میں نہیں لیا کہ امیر سب سے زیادہ متقی ہو۔ بلکہ متقی ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں لیاقت، تجربہ اور دوسرے اوصاف کو بھی شمار کیا گیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت بلالؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ اور کئی صحابہ کرامؓ تقویٰ، سبقت فی الاسلام اور نبی اکرمؐ کی شرف صحبت کے لحاظ سے حضرت خالد بن ولیدؓ سے کہیں آگے تھے۔ حضرت بلالؓ کے تقویٰ اور مرتبہ کا یہ عالم ہے کہ نبیؐ فرماتے ہیں! بلالؓ تم کون سا خاص عمل کرتے ہو کہ معراج کی رات میں نے اپنے آگے آگے تیرے قدموں کی آہٹ محسوس کی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ يَا بِلَالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الْإِسْلَامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا أَرْجَى

عِنْدِی إِنِّی لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِی سَاعَةِ لَیْلٍ اَوْنَهَارٍ إِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِی اَنْ اُصَلِّیَ ۔(بخاری کتاب التحجد ،جلد ۱ ،باب فضل الطهور)

ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے صبح کی نماز کے وقت بلالؓ سے فرمایا مجھے بتاؤ کہ تو نے اسلام کے زمانے میں سب سے زیادہ کون سا نیک کام کیا ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیرے جوتوں کی پھٹ پھٹ سنی ہے۔ بلالؓ نے عرض کیا میں نے تو کوئی خاص عمل نہیں کیا سوائے اس کے کہ جب میں نے رات یا دن میں کسی وقت بھی وضو کیا تو میں اس وضو سے نفل نماز پڑھتا رہا جتنی اللہ نے مجھے توفیق دی۔

اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی حالت یہ تھی کہ وہ فنافی الآخرت ہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے پاس کچھ رکھنا ہی گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن نبی اکرمؐ نے فرمایا

عَنْ اَبِی ذَرٍّ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِی فَضَرَبَ بِیَدِهٖ عَلٰی مَنْكِبِی قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ إِنَّكَ ضَعِیْفٌ وَإِنَّهَا اَمَانَةٌ وَإِنَّهَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ خِزْیٌ وَنَدَامَةٌ إِلَّا مَنْ اَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَاَدَّی الَّذِی عَلَیْهِ فِیْهَا ۔(المسلم ج ۲ ،باب کراهة الامارة بغیر ضرورة)

ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! آپ مجھے کوئی خدمت نہیں دیتے۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے کندھے پر رکھا اور فرمایا اے ابوذر تو کمزور ہے اور یہ بھاری ذمہ داری ہے، یعنی بندوں کے حقوق پوری طرح ادا کرنا اور قیامت کے دن خفت، رسوائی اور شرمندگی کے سوائے کچھ حاصل نہیں ہوگا مگر جو اس کا حق ادا کرے اور راستی سے کام لے۔

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

وَيُقَدَّمُ فِي وَلَايَةِ الْقَضَاءِ

اَلْاَعْلَمُ الْاَوْرَعُ الْاَكْفَاءُ فَإِنْ كَانَ اَحَدُهُمَا اَعْلَمُ ، وَالْآخَرُ اَوْرَعُ ،قُدِّمَ فِيمَا قَدْ يَظْهَرُ حِكْمُهُ ، وَيَخَافُ فِيهِ الْهَوىٰ ۔اَلْاَوْرَعُ وَفِيمَا يَدُقُّ حِكْمُهُ ،وَيَخَافُ فِيهِ الاشتباهُ اَلْاَعْلَمُ ففِي الْحَدِيثِ عن النبیؐ إنَّهُ قَالَ ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْبَصَرَ النَّافِذَ عِنْدَ وُرُودِ الشُّبُهَاتِ ، وَيُحِبُّ الْعَقلَ الْكَامِلَ عِنْدَ حُلُوْلِ الشَّهَوَاتِ ۔(مجموعه فتاوى ،جلد ۲۸، ص۲۵٦)

ولایت قضاء کسے سپرد کرنی چاہئے؟

بہتر تو یہ ہے کہ خوب علم رکھنے والا ، بہت متقی ہو لیکن اگر ایک طرف خاصہ علم رکھنے والا ہو اور دوسری طرف بہت پرہیز گار ہو تو ان دونوں میں جس کی دانائی غالب ہو اور وہ ہوائے نفس سے ڈرتا ہو ، اسے مقدم رکھنا چاہئے۔

بہت تقوی رکھنے والے میں دانائی دقیق ہوتی ہے اس لئے وہ معاملے میں اشتباہ سے خائف رہتا ہے جبکہ صحیح علم رکھنے والے کے متعلق پیارے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جو ورود شبہات کے وقت اپنی بصیرت استعمال کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایسی کامل عقل کو پسند کرتا ہے جو حلول شہوات میں کام آتی ہو۔

اخلاص:

اپنی ذات اور مفاد پر دوسروں کو ترجیح اور حق پر سب کچھ قربان کرنا اور پھر دین پر حتی المقدور خلوص نیت کے ساتھ عمل کرنے کے جذبے کو اخلاص کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس سے محبتیں پروان چڑھتی ہیں اور ایثار و قربانی کے جذبات اور اعمال جنم لیتے ہیں

دین حق عبادات سے لے کر انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اس کی نمود چاہتا ہے اس لئے قرآن وسنت میں بڑے تکرار کے ساتھ اس کی تائید میں ارشادات پائے جاتے ہیں۔

وَمَا اُمِرُوا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ٥(پ۳۰،البينة٥)

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ (پ۲۳،زمر۲)

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ٥ (پ۲۳،زمر۱٤)

صحابہ کرام صرف ذکر واذکار اور عبادات ہی میں خلوص واخلاص کا اہتمام نہیں کرتے تھے بلکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں اس کا نفاذ اور اہتمام فرمایا کرتے تھے۔اس تعلیم وتربیت کا ثمرہ تھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب ایرانی افواج کو مسلسل پسپا کر رہے تھے،عین اس موقعہ پر مرکز مدینہ سے خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے حکم ملا جس میں بین السطور اس بات کا اشارہ تھا کہ میں آپ کو کامیاب محاذ سے ہٹا کر مشکل اور مسلمانوں کے کمزور محاذ پر پہنچنے کے لئے کہہ رہا ہوں،اس امید کے ساتھ کہ آپ محسوس نہیں کریں گے۔حضرت سعدؓ نے جن الفاظ میں جواب دیا وہ ہر مسلمان بالخصوص دینی جماعتوں کے ورکروں کے لئے مشعل راہ ہونے چاہئیں۔

انہوں نے جواباً عرض کیا تھا اے خلیفۃ المسلمین میری حیثیت تو صرف اتنی ہے کہ میں اللہ کے تیروں میں سے ایک ہوں۔آپ مجھے جہاں پھینکنا چاہتے ہیں پھینک دیجئے۔(انا سهم من سهام الله) (البدايه والنهايه) میں اللہ کے تیروں میں سے ایک تیر ہوں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْصَةِ، تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِيْلَةِ،

اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَاِنْ لَّمْ یُعْطِ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَکَسَ وَاِذَا شِیْکَ فَلَا انْتَقَشَ طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَاْسُهٗ مُغْبَرَّةٌ قَدَمَاهُ اِنْ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ ،کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ وَاِنْ کَانَ فِی السَّاقَةِ کَانَ فِی السَّاقَةِ۔اِنِ اسْتَاذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ وَاِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ۔

حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبیؐ نے فرمایا تباہ ہوگئے درہم ودینار کے غلام۔ ہلاک ہوئے دولت کے پجاری، برباد ہوئے دینار کے پرستار۔ایسے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ انہیں اگر دیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور نہ ملے تو ناراض اور رنجیدہ خاطر رہتے ہیں۔ یہ بد بخت اور اندھے منہ گرے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ لوگ اگر مصیبت میں پھنس جائیں تو ان کی مدد نہ کی جائے۔اس کے مقابلے میں خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جو راہ خدا میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے۔ پراگندہ اور خاک آلود قدموں کے ساتھ اگر پہرے پر ہے تو پہرہ دے رہا ہے، اگر فوج کے پچھلے حصے میں ہے تو وہیں اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے۔اگر رخصت مانگے تو رخصت نہ ملے، اگر سفارش کرائے تو قبول نہ کی جائے (لیکن وہ اپنا فرض ادا کرتا رہے)

یہی وہ تربیت تھی کہ نبیؐ ایک غزوہ کی کامیابی کے بعد انعامات (مال غنیمت) تقسیم فرما رہے تھے۔ جب ایک مجاہد کو اس کا حصہ عطا فرمانے لگے تو اس نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ میں مال لینے کے لئے میدان کارزار میں نہیں اترا تھا بلکہ میری تمنا اور آرزو تھی کہ میں اللہ کی راہ میں لڑتا رہوں یہاں تک کہ دشمن کا تیر میرے گلے سے آرپار ہو جائے۔

مال ودولت ایک ایسی چیز ہے جس کو دیکھ کر بڑے بڑے لوگوں کے پتے پانی ہو جاتے ہیں۔

لوگ مال کی خاطر عزت، غیرت، دین وایمان سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔لیکن نبی اکرمؐ نے باہمی اخلاص وتعلق کی آبیاری کے لئے دولت اور جاگیروں کو بھی مسترد کر دیا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں موجود ہے۔ایک دفعہ آپؐ انصارؓ کو بحرین کے علاقے کی جاگیریں عطا فرمانے لگے تو انصار نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ یا نبی اللہ جب تک اتنی ہی جاگیریں ہمارے مہاجر بھائیوں کو نہ ملیں گی تو اس وقت تک ہمیں یہ جاگیریں زیب نہیں دیتیں۔اس خلوص واستغنا کا تذکرہ بخاری کے ساتھ قرآن پاک میں بھی موجود ہے۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَنْصَارَ إِلَى اَنْ يَقْطَعَ لَهُمُ الْبَحْرَيْنِ فَقَالُوا لَا إِلَّا اَنْ تَقْطَعَ لِإِخْوَانِنَا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ مِثْلَهَا قَالَ اَمَّا لَا فَاصْبِرُوا حَتّٰى تَلْقَوْنِي فَإِنَّهُ سَيُصِيْبُكُمْ بَعْدِيْ إِثْرَةٌ۔(بخاری کتاب المناقب)

حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں، آنحضرتؐ نے انصار کو بلا کر بحرین کا علاقہ دینا چاہا۔انہوں نے عرض کیا کہ یہ رقبے ہم اس وقت تک لینا پسند نہیں کرتے جب تک ہمارے مہاجر بھائیوں کو نہ مل جائیں۔آپؐ نے فرمایا اگر تم قبول نہیں کرتے تو پھر صبر وحوصلہ سے کام لیتے رہنا۔یہاں تک کہ حوض کوثر پر ہماری ملاقات ہو، کیونکہ میرے بعد کئی ناخوشگوار واقعات کا تمہیں سامنا کرنا پڑے گا۔(استحقاق کی محرومی)

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

جوان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے۔ یہ ان لوگوں سے محبت کر کے ان کے پاس آئے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دیا جائے اس کو کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔

دنیا کی صولت وثروت کی بڑی حیثیت ہے مگر اس سے بڑھ کر انسان کی ذاتی اور خاص کر گھر کے حوالے سے عزت وناموس زیادہ اہم ہے جس پر کم سے کم غیرت رکھنے والا انسان بھی کٹ مرتا ہے۔ خاص کر عرب عورت کے معاملے میں اتنے حساس تھے کہ کئی قبیلوں نے اس وجہ سے بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا شروع کر رکھا تھا کہ ہمارا کوئی داماد نہ بن جائے یا پھر جنگ وجدال میں ہماری عورتیں دشمن کے قبضے میں نہ چلی جائیں لیکن جب نبی اکرمؐ نے مہاجروں کی آبادکاری اور باہمی مواخات کے لئے ہدایات جاری فرمائیں تو ایک شخص نے یہاں تک خلوص کی انتہا کر دی کہ وہ اپنے مہاجر بھائی سے کہنے لگا کہ اگر آپ اپنا گھر آباد کرنا چاہتے ہیں تو میں اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو طلاق دے دیتا ہوں۔ تم اس کے ساتھ نکاح کر لو، لیکن مہاجروں نے بھی نبی اکرمؐ کے سایہ تربیت میں پرورش پائی تھی۔ انہوں نے کسی پر احسان کے طور پر نہیں بلکہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لئے چھوڑا تھا۔ لہذا چند دنوں کی مہمان نوازی کے بعد وہ خود محنت ومشقت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ اسی اخلاص کا صلہ تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں مٹی سمجھ کر اٹھاتا ہوں لیکن وہ ہاتھ میں سونا بن جاتی ہے۔ ان کی مراد اللہ کی وہ بے پناہ برکات تھیں جو ان پر نازل ہوئیں۔

قوتِ فیصلہ

صحت وتندرستی، تقویٰ وپرہیزگاری، علم وبصیرت کے ساتھ آدمی میں خاص کر قائد کے اندر قوت فیصلہ کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔ جب تک قائد میں یہ خوبی نہیں ہوگی سارا معاملہ دھرے کا دھرارہ جائے گا۔ اگر بہتر سے بہتر منصوبہ پر بروقت قوت فیصلہ سے کام لیتے ہوئے اقدام نہ کیا جائے تو جماعتیں اور قومیں کئی سال نہیں بلکہ بعض دفعہ صدیوں پیچھیں رہ جاتی ہیں۔ یہی قوت فیصلہ اور نافذہ ہے جس سے افراد اور جماعتوں میں پیش قدمی اور ان کی رفتار عمل میں سرعت اور تیزی پیدا ہوتی ہے اس لئے انبیاءؑ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ ہم نے ان کو قوت فیصلہ اور علم صلاحیت سے بہرمند فرمایا تھا۔

جناب داؤد علیہ السلام اپنے وقت کے نبی اور حکمران ہیں۔ ان کے اوصاف حمیدہ کے تذکرے میں خاص طور پر اس صفت کو بیان کیا گیا ہے۔

وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ٥ (پ۲۳، ص۲۰)

اس کو حکمت عطا کی تھی اور فیصلہ کن بات کہنے کی صلاحیت بخشی تھی۔

اس نعمت کے حصول کے لئے ابراہیمؑ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ مجھے قوت فیصلہ کی صلاحیت سے ہمکنار کرتے ہوئے نیک لوگوں کی رفاقت اور اچھی شہرت نصیب فرما۔

رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ٥ (پ۱۹، الشعرا ۸۳۔۸۴)

یہی وہ صلاحیت ہے جس کا مظاہرہ انبیائے کرام حق وباطل کے معرکہ کے درمیان کیا کرتے تھے۔ اسی قوت فیصلہ کا اظہار تھا کہ غزوہ احد کے معرکے سے پہلے جب مشاورت کا دور ختم ہوا آپ ﷺ نماز عصر ادا کرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور عمر فاروقؓ کے

ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے۔ شیخینؓ نے آپ کو فوجی لباس پہننے میں تعاون کیا۔
آپؐ نے ڈبل زرہیں پہنیں۔ ہتھیاروں سے آراستہ ہوئے اور سینے کے قریب نیچے
کی طرف لٹکائے ہوئے مکمل جرنیلی شان کے ساتھ آپ گھر سے باہر تشریف لائے تو
لوگوں نے محسوس کیا کہ آپؐ کی رائے کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ انہوں نے عرض کیا
کہ اب ہم اپنی رائے واپس لیتے ہیں لہٰذا عرض ہے کہ مدینہ میں ہی رہ کر لڑنا چاہیے۔
لیکن اس وقت آپؐ نے کہا کہ اب نہیں، کیونکہ کسی نبیؐ کے شایان شان نہیں کہ جب وہ
جنگ کے لئے تیار ہو کر نکلے تو پھر فیصلہ کن اقدام کئے بغیر یوں ہی واپس پلٹ جائے۔

امیر کا رابطہ عوام

بے شک ایمان اور نظریے کا رشتہ بڑا مضبوط اور مستحکم رشتہ ہے۔ بلاشبہ افراد کسی نقطہ نگاہ
پر ہی اکٹھے ہوا کرتے ہیں اور رہ سکتے ہیں۔ فکری یکجہتی تسبیح کے دھاگے کی مانند ہے۔
نظریہ کی مضبوطی ہی تسبیح کے دانوں کو یکجا رکھ سکتی ہے۔ لیکن ہر نظریہ اور رشتے کے کچھ
تقاضوں کو پورا کئے بغیر کوئی نظریہ یا رشتہ اتحاد کو پروان نہیں چڑھا سکتا۔ ان تقاضوں
میں سے ایک بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ آپس میں اہم مواقع پر میل ملاپ ہونا چاہیے
۔ خاص کر جماعتی اور تنظیمی رشتہ تو باہمی ربط وضبط کو پیہم اور تسلسل کے ساتھ رکھنے کا
مطالبہ کرتا ہے۔ کارکن اور قائد کے درمیان جتنا رابطہ ہوگا اتنا ہی جماعت کا اتحاد اور
کارکنان کا تعلق مضبوط ہوگا۔ بالخصوص دینی اور اصلاحی جماعتوں کا باہم رابطہ تنظیم کے
لئے روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح روح کے زندہ رہنے کے ساتھ زندگی ہے
اسی طرح جماعتی زندگی کی بقا باہم رابطے کی بنا پر قائم ہے۔ تاریخ عالم میں کثرت سے
ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ بڑی بڑی تحریکیں قائد کی موت کے ساتھ ہی فنا کے گھاٹ

اتر گئیں ۔میدان کارزار میں تو اکثر ایسا ہوا کرتا ہے ۔ادھر سپہ سالار شہید ہوا اور ادھر بہادر فوج کے قدم اکھڑتے چلے گئے ۔ بالاخر فوج ناکامی اور نامرادی سے دوچار ہوگئی قرآن پاک میں اسی لئے رابطے کو قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۝ (پ٤،آل عمران ٢٠٠)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو صبر سے کام لو۔ باطل پرستوں کے مقابلہ میں پامردی دکھاؤ حق کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔

نبی اکرمؐ نے رابطے کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ شدید ترین ہنگامی حالات میں بھی اس طرف التفات فرمایا۔ ہوایوں کہ نبیؐ نے غزوہ حنین کے مال غنیمت سے نومسلم حضرات کو بے شمار گھوڑے ،اونٹ ،بکریاں اور خطیر رقمیں عطا فرمائیں اور انصارؓ میں سے کسی ایک فرد کو ایک پائی بھی عطا نہ فرمائی ۔جس سے انصارؓ میں یہ غلط فہمی پیدا ہوئی کہ شاید اللہ کے نبیؐ مدینہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ میں واپس تشریف لے آئیں گے اور نوجوان طبقے نے جذباتی انداز اختیار کیا اور کہا کہ لڑنے اور مرنے کے لئے ہم تھے اور ابھی تک ہماری تلواروں سے خون خشک نہیں ہوا اور ہمارے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں روا رکھا گیا ہے؟ نبیؐ برحق کو جب ان حالات سے آگاہی ہوئی تو آپؐ نے حضرت سعد بن عبادہؓ کو بلایا اور ان سے حالات دریافت کئے ۔ پوچھا کہ سعد تمہارا کیا خیال ہے ؟ تو حضرت سعدؓ نے عرض کیا کہ میں بھی تو اپنی قوم کا ہی ایک فرد ہوں یعنی میرے خیالات بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حکم دیا ایک جگہ صرف انصار کو اکٹھا کیا جائے ۔ جب انصار جمع

ہو گئے تو خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے ایسا انداز اختیار کیا جو نہ اس سے پہلے آپ کی ذات گرامی اور نہ زندگی بھر دوبارہ یہ انداز گفتگو اختیار فرمایا۔ اس خطاب میں پہلے اپنی ذات کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی نوازشات کا تذکرہ کیا اور پھر انصار کو پورا پورا حق دیا کہ آج تم یہ باتیں کہنا چاہو تو تمہارا حق ہے۔ جب انصار کے ذہن صاف ہو گئے اور ان کی طبیعتوں کا بوجھ ہلکا ہوا تو یکدم فرمایا کہ کیا تمہارے لئے یہ بہتر نہیں کہ لوگ دنیا کا مال بھیڑ بکریاں لے کر گھروں کو جائیں اور تم رحمت اللعالمینؐ کی ذات بابرکات کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ۔ بس اتنا کہنا تھا کہ مجمع میں جذبات کا تلاطم امڈ آیا۔ ہر آنکھ اشکبار ہو گئی اور رَضِینَا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

حالات کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے امیر جماعت کو حتی المقدور عام و خاص حضرات سے رابطہ رکھنا چاہئے۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ امیر ایک ایک فرد سے رابطہ نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی اس کے لئے ممکن ہے۔ یہ فرض تو درجہ بدرجہ جماعت کے دوسرے ذمہ دار حضرات کو ادا کرتے رہنا چاہئے۔ اس طرح بہت حد تک امیر جماعت کی طرف سے رابطے کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ امیر کو جماعتی احباب سے رابطے کی ضرورت ہی نہیں۔ جس جماعت میں بھی عہدے دار کا کارکنوں سے رابطہ ختم ہوگا اس جماعت کا منظم ہونا تو در کنار زیادہ دیر تک قائم رہنا ہی مشکل ہے۔ لہٰذا امیر کو ایسے مواقع پیدا کرنے چاہئیں جن میں لوگوں کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قریبی رابطہ رکھا جا سکے۔ اس کے لئے ہر اہم موقع پر اجلاس منعقد کرنا، مراسلات، جلسہ ہائے عام، اخباری بیانات اور اس کے ساتھ ہی اپنے جونیئر حضرات کو بھی لوگوں سے رابطہ کی تاکید کرنا اور پھر اس کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔ اس سے

نہ صرف جماعت کے اندر مایوسی، بیگانگی اور غلط فہمیاں دور ہوں گی بلکہ جماعت منظم افواج کی طرح چوکس، متحرک اور فعال ہوگی۔ جس جماعت میں رابطے کا فقدان ہوتا ہے اس میں بہت سی اخلاقی بیماریاں پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ خلفشار پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ ایسی تنظیم ہمیشہ بحرانوں کا شکار ہوا کرتی ہے۔ اس لئے فوری اور بروقت رابطہ غلط فہمیوں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ جماعت کو فعال اور متحرک رکھنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

استحقاق امیر اور ادب واحترام

ادب واحترام کا اصل مقام تو دل ودماغ ہے۔ جب احترام واکرام کے جذبات دل میں موجزن ہوں تو لامحالہ ظاہری اعمال سے ان کا ظہور یقینی ہو جاتا ہے۔ ایسے افراد جب کسی دوسرے سے ملتے ہیں تو ان کے ملاپ سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ادب واحترام دل کی گہرائیوں سے بجالا رہے ہیں یا تکلف کر رہے ہیں۔ کیونکہ بے شمار لوگ ہیں جن کے سینے اور گردنیں اغراض ومطالب کی بازیابی کی خاطر جھکی تو رہتی ہے لیکن ان کے دل ودماغ کے گوشے ادب واحترام سے تہی دامن ہوتے ہیں۔ جوں ہی مفاد کی تکمیل ہوئی یا خوف سے خلاصی پائی، پلک جھپکتے ہی ان کی آنکھیں نفرت کی چنگاریاں اور زبانیں حسد وبغض کے گولے داغنے لگتی ہیں۔ اب مجبوری کا احترام اختلاف کا روپ دھار لیتا ہے اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ایسی اطاعت بارگراں بن کر کسی وقت بھی ایسے نام نہاد مطیع کو رفو چکر ہونے کا راستہ دکھاتی ہے۔ خاص کر جب ایسے آدمی کے مفادات کو ٹھیس لگتی ہے تو سمع واطاعت کے میدان میں اس کے قدموں میں تزلزل کا واقع ہونا لابدی امر بن جاتا ہے۔

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا۟ مِنْهَا رَضُوا۟ وَإِن لَّمْ

يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۝ (پ ۱۰، التوبۃ ۵۸)

اے نبیؐ ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراضات کرتے ہیں اگر اس مال میں سے انہیں کچھ دیا جائے تو خوش ہو جائیں، اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ تمہارے بہترین امیر وہ ہیں جن کے لئے تم دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے دعا گو ہوں۔

یہی وہ علم و دانش تھی جس کی وجہ سے کبار صحابہؓ بھی آپ کی نظروں میں نظریں نہیں ڈال سکتے تھے۔ سوائے شیخین کے (ابوبکرؓ و عمرؓ) سب لوگ نبی اکرمؐ کی بزم میں گردنیں جھکائے سمع و اطاعت اور ادب و احترام کا پیکر بن جاتے اس احترام میں اس وقت تو بے پناہ اضافہ ہو جاتا جب کوئی غیر مسلم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سفیر مکہ عروہ مذاکرات کے دوران پرانے طریقے کے مطابق گفتگو کرتے ہوئے اپنا ہاتھ نبی محترمؐ کی داڑھی مبارک کو لگاتا ہے اس کے پیچھے کھڑے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے کہا کہ آئندہ یہ ہاتھ نبی محترمؐ کی داڑھی مبارک کو نہ لگانا لیکن عادتاً اس کا ہاتھ پھر لگ جاتا ہے تو مغیرہؓ نے تلوار کو الٹا کر کے ہلکی سی ٹھوکر لگائی اور ترش لہجے میں کہا خبردار آئندہ ہاتھ لگایا تو یہ ہاتھ کٹ جائے گا۔ یہ نظارہ تو فلک پیر نے آج تک دیکھا نہ ہوگا۔ جب آقا نماز کے لئے وضو فرمانے لگے تو صحابہ کرامؓ نے جنہوں نے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا تھا برکت کے حصول اور خاص کر دشمن کو دکھانے کے لئے وضو کے پانی کو ہاتھوں ہاتھ لیا، کیونکہ سیف مکہ نے آتے ہی لاف زنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے محمدؐ جب لڑائی ہوئی تو یہ لوگ تمہیں چھوڑ کر تتر بتر ہو جائیں گے کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا کہ ان کے پاس اسلحہ نہیں ہے۔ یہ تو عمرہ کے لئے آئے ہیں۔

صحابہؓ نے اس بات کا ردعمل اور آپؐ سے بے پناہ محبت کی وجہ سے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرنے نہ دیا۔ ایک اپنے چہرے کو روشن کر رہا ہے اور دوسرا اپنے سینے اور دل کو سکون پہنچا رہا ہے۔ کسی نے اپنے جسم پر شفا کے لئے مل لیا اور کسی نے اپنے ہاتھوں کو ٹھنڈک پہنچائی۔ یہ منظر دیکھ کر اس کے ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے اور زمین اس کے پاؤں تلے سے کھسکنے لگی۔ اب اس کے ہوش ٹھکانے آئے اور جا کر اس نے جو رپورٹ دی، اسی کی زبان سے سماعت فرمائیں۔

فَرَجَعَ عُرْوَةُ إِلَى اَصْحَابِهٖ فَقَالَ اَیْ قَوْمٌ وَاللّٰهِ لَقَدْ وَفَدْتُّ عَلَى الْمُلُوْكِ وَوَفَدْتُّ عَلٰی قَیْصَرَ وَكِسْرٰی وَالنَّجَاشِیِّ وَاللّٰهِ اَنْ رَاَیْتُ مَلِكًا قَطُّ یُعَظِّمُهٗ اَصْحَابُهٗ مَا یُعَظِّمُ اَصْحَابُ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا وَاللّٰهِ اِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً اِلَّا وَقَعَتْ فِی كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ وَجْهَهٗ وَجِلْدَهٗ وَاِذَا اَمَرَهُمْ اِبْتَدَرُوْا اَمْرَهٗ وَاِذَا تَوَضَّاَ كَادُوْا یَقْتَتِلُوْنَ عَلٰی وَضُوْئِهٖ وَاِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهٗ۔ (بخاری جلد اول، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة)

عروہ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ کر گیا اور کہنے لگا میں تو روم، ایران اور حبش کے بادشاہوں کے پاس بھی جا چکا ہوں لیکن خدا کی قسم میں نے تو آج تک نہیں دیکھا کہ کسی بادشاہ کے لوگ اس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں گے جیسی اصحاب محمدؐ اپنے صاحب کی کرتے ہیں۔ اگر انہوںؐ نے تھوکا تو کوئی اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے منہ اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ کوئی حکم دیتا ہے تو لپکتے ہوئے فوراً ان کا حکم بجالاتے ہیں اور جب وضو کرتے ہیں تو وضو کے پانی کے لئے قریب تھا کہ مجادلہ ہو جائے جب وہ بات کرتے ہیں تو یہ اپنی آواز ادب واحترام سے دھیمی کر لیتے ہیں۔

سمع واطاعت

اطاعت امیر ایک ایسی حقیقت اور ضرورت ہے جس کے لئے دلائل کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ سرسری عقل وفہم رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ جب تک امیر کی سمع واطاعت نہ کی جائے گی میدان عمل میں جماعت ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بلکہ انصاف کی بات یہ ہے کہ ایسی جماعت کو جماعت کہلانے کا حق نہیں پہنچتا جس میں امیر کی سمع واطاعت نہ ہو۔ یہ ایسا اہم ترین مسئلہ ہے جس کی اہمیت وافادیت کو اجاگر اور نمایاں کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی اور نبی اکرمؐ کی اطاعت کے ساتھ امیر قوم کی تابعداری کا حکم دیا ہے۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۝ (پ ۵، النساء ۵۹)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اطاعت کرو اللہ کی اطاعت کرو رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔

اسی فرمان کی اتباع میں عبادہ بن صامتؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہؐ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کرتے ہوئے یہ عہد کیا تھا کہ ہم ہر حال میں آپؐ کا حکم مانتے رہیں گے۔

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِى الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى اِثْرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ وَعَلٰى اَنْ نَقُوْلَ بِالْحَقِّ اَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِى اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ

وَفِی رِوَایَةٍ اَنْ لَا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ ۔ (صحيح مسلم ،كتاب الامارة)

عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہؐ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ تنگی اور آسانی، خوشی اور ناخوشی میں امیر کا حکم سنتے اور مانتے رہیں گے۔ چاہے وہ دوسرں کو ہم پر ترجیح دے، ہم اس کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ حق اور سچ بیان کرتے ہوئے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے رسولؐ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ اس طرح نبی اکرمؐ نے امت کو اطاعت امیر کا پابند کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ امیر کی اطاعت میری اطاعت تصور کی جائے گی۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُّطِعِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ يَّعْصِ الْاَمِيْرَ فَقَدْ عَصَانِیْ وَاِنَّمَا الْاِمَامُ جُنَّةٌ يُقَاتَلُ مِنْ وَّرَآئِهٖ وَيُتَّقٰى بِهٖ فَاِنَّ اَمَرَ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَعَدْلٍ فَاِنَّ لَهٗ بِذَالِكَ اَجْرًا وَاِنْ قَالَ بِغَيْرِهٖ فَاِنَّ عَلَيْهِ مِنْهُ ۔ (صحيح مسلم ،كتاب الامارة)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا کہ جس نے میری تابعداری کی اس نے اللہ کی تابعداری کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور اسی طرح جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امیر ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے جس کی

اوٹ میں جہاد اور اپنی ذات کا بچاؤں کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ خدا خوفی اور عدل وانصاف کا حکم دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اجر پائے گا بصورت دیگر گناہگار ٹھہرے گا

وَعَنْ أُمِّ الْحُصَيْنِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ اُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوْا لَهُ وَاَطِيْعُوْا۔ (صحیح مسلم ،کتاب الامارۃ)

ام الحصینؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر تم پر ناک اور کان کٹا امیر مقرر کر دیا جائے اور وہ اللہ کی کتاب کے مطابق حکم دینے والا ہو تو اس کی بات سنو اور تابعداری کرو۔

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَاَنَ رَأْسَهُ زَبِيْبَةٌ۔ (بخاری بحوالہ مشکوۃ کتاب الامارۃ)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ سنو اور فرمانبرداری کرو چاہے ایک حبشی غلام ہی تمہارا امیر بنایا جائے۔ اور اس کا سر انگور کے دانے کی مانند کیوں نہ ہو ان احکامات کی پیروی میں عام مسلمانوں نے نہیں بلکہ بڑے بڑے بہادر جرنیلوں، ملکوں کے فاتحین، امت کے نامور ائمہ کرام نے امیر کی سمع واطاعت کرتے ہوئے ایسے نمونے پیش کئے جس کی مثال دوسری قوموں میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ ائمہ کرام نے قوم میں بے پناہ اثر و رسوخ رکھنے اور اپنے آپ پر بے تحاشا مظالم برداشت کرنے کے باوجود خلیفہ وقت کی بغاوت کا اعلان نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک واضح کفر اور امت کا اجتماعی نقصان نہیں ہوتا اس وقت تک اپنی ذات پر ظلم وستم

سہہ لینا چاہئے لیکن امیر کی بغاوت نہیں کرنی چاہئے ۔ یہی حالت ان جرنیلوں کی تھی جنہوں نے ایک ہی وقت میں پوری دنیا کو اپنی تلوار کی نوک پر رکھا ہوا تھا۔ لیکن جب ان پر مظالم ڈھائے گئے تو انہوں نے پورے صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کر لئے لیکن امت میں انتشار اور خلیفہ کی بغاوت پر آمادگی ظاہر نہ کی اس کے لئے ہسپانیہ کے فاتح موسیٰ بن نصیرؒ افریقہ کے فاتح قتیبہ بن مسلمؒ اور برصغیر کی فتح کا دروازہ کھولنے والے محمد بن قاسمؒ کی مثالیں سمع واطاعت کے راستے کو ہمیشہ روشن کرتی رہیں گی ۔ حالانکہ محمد بن قاسمؒ کو معلوم تھا کہ خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک میرے خلاف ہے لیکن اس کے باوجود جونہی دمشق سے انہیں حاضری کا حکم ملا وہ بے دام غلاموں کی طرح پیش ہوئے ۔ بالآخر دنیا کے عظیم ترین جرنیل نے قید خانے کے اندر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے دی مگر خلیفہ کی سمع واطاعت میں فرق نہ آنے دیا۔ امیر کی سمع واطاعت کے ضمن میں شاہ اسماعیل شہیدؒ کی زندگی قیامت تک ہمارے لئے نمونہ صالحہ پیش کرتی رہے گی ۔ انہوں نے اپنے سے سات سال چھوٹے اور شاگرد سید احمد شہیدؒ کی بیعت اور تابعداری کر کے وہ مثال پیش کی جس کی نظیر علماء کی جماعت میں ملنا مشکل ہے حالانکہ وہ خاندانی مرتبت کے لحاظ سے بھی سید احمد شہیدؒ سے بہت آگے تھے ۔

امیر کی خیر خواہی

امیر کی خیر خواہی یہ ہے کہ اس کے ساتھ بھرپور اور پرخلوص تعاون کیا جائے ۔ جہاں آدمی محسوس کرے کہ امیر جماعت سے چوک ہو رہی ہے یا اس کام کے لئے بہتر صورت یہ نہیں وہ ہے تو آگے بڑھ کر عرض کرے ۔ جناب! اگر یہ کام اس انداز سے ہو جائے تو بہتر ہوگا ۔ یہی وہ فرض ہے جس کو ادا کرنے کے لئے ایک صحابیؓ نے نبی اکرمؐ

سے میدان بدر میں عرض کیا تھا کہ یہ جگہ آپؐ نے اپنی رائے سے منتخب فرمائی ہے یا وحی الٰہی کے ذریعے۔ آپؐ نے فرمایا میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا ہے تو صحابیؓ نے عرض کیا، اس کی بجائے وہ جگہ جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ تب آپؐ نے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ خیمہ زن ہونے کا حکم دیا۔ اس طرح صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ نے صلح کی وہ شرائط منظور فرمائیں جو کئی صحابہؓ کو منظور نہ تھیں حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے یہاں تک اپنی رائے کے حق میں تکرار اور اصرار کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے نبی کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟

ارشاد ہوا کیوں نہیں۔ پھر عرض کیا گیا کہ ہمارے مرنے والے جنت میں اور ان کے قتل ہونے والے جہنم رسید نہیں ہوں گے؟ اس طرح کے کئی اور سوالات ذرا تلخ لہجے میں کیئے، تاہم معاہدہ ہو گیا۔ آپؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ تمام ساتھی اٹھیں اور حجامت کے بعد قربانی کریں اور احرام اتار دیں۔ ہم واپس جا رہے ہیں۔ آپؐ کے دو تین بار کہنے کے باوجود کسی صحابیؓ نے حجامت نہیں کرائی جو کہ احرام اتارنے کے لئے ضروری تھی۔ آپؐ رنجیدہ خاطر ہو کر اپنے خیمے میں تشریف لے گئے۔ آپ کی رفیقہ حیات ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ نے جو اس موقعہ پر آپؐ کے ساتھ تھیں یہ صورت حال دیکھ کر عرض کیا۔ آپؐ محسوس نہ فرمائیں آپؐ کے صحابہؓ نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا بلکہ وہ اس معاہدہ کی شرائط کی وجہ سے پریشان ہیں۔ آپؐ خود احرام اتار دیں پھر دیکھئے وہ بھی آپؐ کی اتباع میں ایسا ہی کریں گے۔ چنانچہ آپؐ کے احرام اتارنے کے بعد ایسا ہی ہوا۔ ہماری والدہ ماجدہؓ کی مخلصانہ اور ہمدردانہ رائے سے بہت بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔

امیر کا فرض ہے کہ وہ ہر معاملے میں اپنے آپ کو عقل کل تصور نہ کرے۔ اس کو نبی اکرمؐ

کی سنت مبارکہ کو پیش نگاہ رکھنا چاہئے کہ نبی محترمؐ اگر صاحب وحی اور کائنات کے سب سے بڑے دانشور ہونے کے باوجود دوسرے کی بہتر تجویز مان لیتے ہیں تو میں کون ہوں کہ اپنی رائے پر اصرار کروں۔

اسی طرح حضرت عمرؓ کے آخری دور میں حج کے موقعہ پر لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں کیں کہ عمرؓ کے بعد فلاں شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔ فاروق اعظمؓ کو معلوم ہوا تو آپؓ نے فرمایا کہ کل منیٰ میں لوگوں کو جمع کر کے میں آئندہ امیر کے بارے میں ہونے والی افواہوں کی وضاحت کروں گا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جناب امیر سے عرض کیا۔ آپؓ ایسا نہ کریں یہاں مختلف علاقوں سے مختلف ذہن رکھنے والے حجاج کرام آئے ہوئے ہیں۔ وہ معاملے کو سمجھنے کی بجائے مزید غلط فہمیوں کا شکار ہو جائیں گے۔ جس سے مملکت میں انتشار پیدا ہوگا یہاں تقریر کرنے کی بجائے آپؓ مدینہ میں خطاب فرمائیں کیونکہ وہ لوگ امور مملکت کو عوام سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ابن عوفؓ کی اس خیر خواہانہ تجویز کو مانتے ہوئے اپنے خطاب کو واپسی مدینہ تک ملتوی کر دیا۔

حضرت تمیم داری بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی اکرمؐ نے دین اسلام کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ کس کے ساتھ خیر خواہی کا مظاہرہ کیا جائے تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔

اللہ، کتاب، رسول اور مسلمانوں کے امراء اور عام لوگوں کی خیر خواہی کی جائے۔

امیر کی سیکیورٹی (حفاظت)

آپ جانتے ہیں کہ جب نبی اکرمؐ نے کارِ نبوت کا آغاز فرمایا تو آپ کو صادق اور امین کہنے والے مخالف سے مخالف تر ہوتے گئے حتیٰ کہ ذات گرامی کے شدید ترین دشمن بن گئے۔ کعبۃ اللہ میں حالت سجدہ میں سر مبارک پر گندگی رکھنا ،شعب ابی طالب کا سوشل بائیکاٹ ،آپؐ اور آپؐ کے رفقاء پر انفرادی اور اجتماعی تشدد بالاخر ذات پاکؐ پر اجتماعی حملہ۔ مسبب الاسباب نے آپؐ کی حفاظت فرمائی تا آنکہ ہجرت کا حکم نازل ہوا۔

ہجرت کے باوجود مدینہ طیبہ پہنچ کر بھی حالات تبدیل نہیں ہوئے۔ ماحول میں تناؤ اور کھچاؤ بڑھتا ہی چلا گیا۔ مکہ والوں کے حملے، یہود ونصاریٰ کی چالیں، منافقوں کی سازشیں، چاروں طرف خطرات کی وجہ سے آپؐ مسلح پہرہ میں زندگی گزارنے لگے یہاں تک کہ ایک رات شدید اعصابی دباؤ کی وجہ سے دیر تک کروٹیں بدلتے رہے۔ نیند نہیں آرہی تھی۔ بے ساختہ فرمانے لگے کاش کوئی اللہ کا بندہ پہرہ دے تو میں تھوڑی دیر آرام کرلوں۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ .... رَسُوْلُ اللّٰهِ مُقْدِمَهُ الْمَدِيْنَةَ لَيْلَةً فَقَالَ لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا يَحْرُسُنِي اللَّيْلَةَ قَالَتْ فَبَيْنَكُمَا نَحْنُ كَذٰلِكَ اِذْ سَمِعْنَا خَشْخَشَةَ السَّلَاحِ فَقَالَ مَنْ هٰذَا سَعْدُ بْنُ اَبِي وَقَّاصٍ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا جَاءَ بِكَ فَقَالَ سَعْدٌ وَقَعَ فِي نَفْسِي خُوْفٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ فَجِئْتُ اَحْرَسُهُ فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ نَامَ ۔(جامع ترمذی)

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضورؐ کی آنکھ نہ لگی۔ رسول خداؐ

مدینہ میں جب ایک غزوہ سے لوٹ کر آئے تو فرمایا، کاش کوئی نیک مرد باقی رات میری چوکیداری کرتا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم اسی خیال میں تھے کہ ایک شخص کے ہتھیاروں کی آواز سنی اور نبیؐ نے پوچھا کون؟ انہوں نے عرض کیا سعد بن ابی وقاصؓ۔ آپ نے فرمایا کیوں آئے ہو؟ کہا، میرے دل میں خوف آیا کہ آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچائے سو حاضر ہوا ہوں کہ پہرہ دوں، ان کے لئے دعا کی اور پھر آپؐ سو گئے

ان ارشادات اور واقعات کی روشنی میں مسلمانوں نے ہمیشہ اپنے امیر کی حفاظت کا خصوصی خیال رکھا۔ یہاں تک حضرت عثمانؓ کی حفاظت کا تعلق ہے تو حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھی حفاظتی گارڈ کا کام سرانجام دیتے رہے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد امیر معاویہؓ نماز کی حالت میں اپنے پیچھے خاص لوگوں کو کھڑا کرتے کیونکہ امیر یا سربراہ مملکت کے قتل سے صرف شخصی یا خاندانی نقصان ہی نہیں ہوتا بلکہ پوری مملکت عدم استحکام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لئے جو قوم اپنے سربراہ کی حفاظت نہیں کرسکتی اس سے قومی مفاد اور ملکی استحکام کی حفاظت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے کارکنان اور جماعتی احباب کا فرض ہے کہ جلسے جلوسوں اور دوسرے موقعوں پر پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنے راہنماؤں کی حفاظت کرتے رہیں خاص موقعوں پر نوجوان حصار بنا کر اپنے قائدین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیں۔ یہ بھی صحابہؓ کا اسلوب تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ جب دار ارقم میں ایمان لائے تو انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے نبیؐ نماز جہاں ادا کرنے کی بجائے حرم پاک میں ادا کرنی چاہئے۔ تب حضرت امیر حمزہؓ اور کچھ صحابہ کرامؓ نبی کریمؐ کے آگے آگے تھے۔ فاروق اعظمؓ اور دوسرے صحابہؓ

آپؐ کے پیچھے چل رہے تھے۔ اس حفاظت اور پروٹوکول کے ساتھ نبی اکرمؐ حرم پاک میں داخل ہوئے اور سر عام نماز ادا کرنے کی ابتدا کی۔ مدینہ میں آپ کی تشریف آوری کے وقت انصار نے جس سج دھج اور اسلحہ سے لیس ہو کر آپ کا استقبال کیا وہ منظر تو قیامت تک امت کی رہنمائی کرتا اور دشمنان اسلام کو یاد رہے گا۔

کارکن کی اہمیت اور افادیت

افراد کے بغیر جماعت کا تصور ممکن نہیں۔ کارکن کی جماعت میں بنیادی حیثیت ہے۔ کارکنان اور افراد کے مجموعے کو ہی جماعت کہتے ہیں۔ زندہ اور باشعور جماعتیں کارکنان کی تربیت کا خصوصی اہتمام کیا کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جیسے افراد ہوں گے ویسی ہی جماعت کی صورت حال ہوگی۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر

ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اگر جماعت میں مخلص اور محنتی افراد ہوں گے تو جماعت زندہ اور متحرک تصور ہوگی۔ اگر کارکنان کی اکثریت سست، بدعمل اور مفاد پرست ہوگی تو جماعت لازماً غیر فعال ہوگی کیونکہ کارکنان ریڑھ کی ہڈی یا جماعتی عمارت کی بنیادی اینٹیں ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر قرآن پاک جہاں انسانوں یا مسلمانوں کو اجتماعی خطاب کرتا ہے وہاں ایک ایک فرد کو مخاطب کرتے ہوئے ان کی اصلاح کی طرف پوری توجہ دیتے ہوئے یہ احساس دلاتا ہے کہ اے فرد تمہیں بالآخر اپنے اعمال کا خود جواب دینا ہے۔ اس لئے نبی اکرمؐ کے ابتدائی خطابات میں یہ بات موجود تھی، آپؐ فرمایا کرتے تھے کہ لوگو اپنے آپ کو اس گھڑی اور وقت کے لئے تیار کرو، جب بندے اور خدا کے درمیان کوئی چیز حائل نہ

ہوگی اور نہ ہی کوئی ترجمان ہوگا۔اسے براہ راست محشر کے میدان میں اپنے رب کی بارگاہ میں اپنے کردار کا جواب دینا ہوگا۔قرآن پاک نے فرد کی اصلاح کے لئے اس کی تخلیق سے لے کر اس کے اعمال کے نتیجے تک اسے اسکی ذمہ داریوں سے آگاہ فرمایا

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ○ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ○ (پ۲۹،الدھر۱ تا۳)

کیا انسان نہیں جانتا کہ اس پر لامتناہی زمانے کا ایک ایسا دور بھی گزرا ہے کہ جب وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لئے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنادیا۔ہم نے اسے راستہ دکھایا خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ○ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ○ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ○ (پ۳۰،البلد۸ تا۱۰)

کیا ہم نے اسے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور نیکی اور بدی کے دونوں نمایاں راستے اسے نہیں دکھادیئے۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ○ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ○ يَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ ○ (پ۳۰، الانفطار۹ تا۱۲)

بلکہ تم لوگ جزا وسزا کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل کو جانتے ہیں۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ ○ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا

الْاَرْضَ شَقًّاo فَاَنْبَتْنَا فِیْھَا حَبًّاo وَّعِنَبًا وَّقَضْبًاo وَّزَیْتُوْنًا وَّنَخْلًا o وَّحَدَآئِقَ غُلْبًاo وَّفَاکِھَۃً وَّ اَبًّاo مَّتَاعًا لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْo (پ۳۰،عبس ۲۴تا۳۲)

پھر ذرا انسان اپنی خوراک کو دیکھے۔ہم نے خوب پانی لنڈھایا،پھر زمین کو عجیب طرح پھاڑا۔پھر اس کے اندر غلے اگائے اور انگور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گنے، گھنے باغ اور طرح طرح کے پھل تمہارے لئے اور چارے تمہارے مویشیوں کے لئے

یٰاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِo فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیْنِہٖ o فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا o وَّیَنْقَلِبُ اِلٰٓی اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا o وَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ کِتٰبَہٗ وَرَآءَ ظَھْرِہٖ o فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا o وَّیَصْلٰی سَعِیْرًاo اِنَّہٗ کَانَ فِیْٓ اَھْلِہٖ مَسْرُوْرًا o اِنَّہٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ o بَلٰٓی اِنَّ رَبَّہٗ کَانَ بِہٖ بَصِیْرًا o(پ۳۰،انشقاق۶تا۱۵)

اے انسان،تو کشاں کشاں اپنے رب کی طرف چلا جا رہا ہے اور اس سے ملنے والا ہے۔پھر جس کا نامہ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا گیا اس سے ہلکا حساب لیا جائے گا اور وہ اپنے لوگوں کی طرف خوش خوش پلٹے گا۔رہا وہ شخص جس کا نامہ اعمال اس کی کمر کی طرف سے دیا جائے گا تو وہ ہلاکت کا سامنا کرے گا۔اور بھڑکتی ہوئی آگ میں جا پڑے گا۔وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا۔اس نے سمجھا تھا کہ اس نے کبھی پلٹنا نہیں ہے۔جب کہ اس کا رب اس کے کرتوت دیکھ رہا تھا۔

باشعور کارکن

کارکن کا نیک، مخلص اور ایثار پیشہ ہونا ہی ضروری نہیں۔ بلکہ اسکا عقل مند اور باشعور ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ کتنے لوگ ہی نیک اور پرہیزگار ایسے کہ دیکھنے والے ان کی نیکی اور تقوٰی پر رشک کرتے ہیں مگر باشعور نہ ہونے کی وجہ سے صرف اپنے آپ کو ہی نہیں بلکہ پورے خاندان کو مشکل میں ڈالنے کے ساتھ ساتھ بے وقار بھی بنا دیتے ہیں۔اس لئے قرآن پاک نے نصیحت وعبرت کے لئے عقل ودانش اور بصیرت وشعور کو لازم ٹھہرایا ہے۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ (پ۳، البقرۃ ۲۶۹)

اللہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا ہو جائے یقیناً اسے بہت ہی خیر میسر آ گئی۔مگر یہ بات عقل مند ہی سمجھتے ہیں۔

نبی اکرمؐ نے مومن کی ذہانت وفطانت، بصیرت وشعور کو خراج تحسین سے نوازتے ہوئے فرمایا ہے۔مومن کی بصیرت سے بچو کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔لہٰذا مومن سے بہت کم امکان ہے کہ وہ ایک ہی جگہ سے دو مرتبہ نقصان اٹھائے۔

اِتَّقُوْ فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنْ —

مومن کی فراست سے بچو۔

لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنَ۔

مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

یہ بصیرت اور فیض مومن کو نبوت کے توسط سے حاصل ہوتا ہے۔نبوت سے پہلے بھی

خاص کراس منصب پر فائز ہونے کے بعد آپؐ کا ایک ایک قدم اور اشارہ ہزاروں دانشمندیوں کو اپنے پہلو میں سمیٹے ہوئے ہوتا تھا۔

ہجرت کا سفر ہے۔ کفار مکہ ہلکان ہو رہے ہیں۔ نبیؐ کی تلاش میں رات دن بھاگے پھر رہے ہیں۔ انعامات کا اعلان ہو چکا ہے لیکن آپ کا ہر قدم عقل و دانش کو شرمندہ کئے ہوئے مدینہ کی طرف رواں دواں ہے۔ مدینہ مکہ سے جنوب کی طرف ہے۔ مگر آپ نے جس جگہ کو اپنی پناہ گاہ کا شرف بخشا (غار حرا) وہ مکہ سے تین میل شمال کی طرف واقع ہے۔ اسی طرف سفر کے لئے جو راستہ اختیار فرمایا وہ شارع عام کو چھوڑ کر ساحلی راستہ تھا۔ لیکن ان تحفظات کے باوجود راستہ میں ایک آدمی سے سامنا ہوا جو حضرت صدیقؓ کو پہنچانتا تھا۔ اس نے پوچھا کہ یہ آپ کے ساتھ بزرگ کون ہیں؟ جناب صدیقؓ نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بلاتوقف فرمایا!

رَجُلٌ یَھْدِیْنِیْ إِلَی السَّبِیْلِ

یہ وہ آدمی ہیں جو میری راہنمائی کرتے ہیں۔

حالانکہ سفر ہجرت میں اس ساحلی راستے کی راہ نمائی کے لئے آپؐ اور ابو بکرؓ نے مناسب معاوضے پر ایک آدمی اپنے ساتھ لیا ہوا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس حساس ترین موقع پر اپنی صداقت پر آنچ آئے بغیر ایسی بصیرت کا مظاہرہ کیا کہ آقائے گرامی بہت بڑے خطرے سے مامون ہو گئے۔ گویا کہ یہ صداقت اور ذہانت کا عدیم المثال امتزاج تھا۔

حضرت عثمانؓ نمائندہ صحابہؓ اور سفیر پیغمبرؐ بن کر مقام حدیبیہ سے مکہ گئے تا کہ مکہ والوں سے مذاکرات کریں اور نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کے لئے بیت اللہ کی زیارت وطواف یعنی عمرہ کے لئے ماحول سازگار بنایا جائے لیکن کفار مکہ نبی اکرمؐ کے مکہ میں

داخلے کی اجازت دینے کے لئے تیار نہ ہوئے۔تاہم انہوں نے حضرت عثمانؓ کو پیش کش کی کہ آپ کعبۃ اللہ کا طواف کرنا چاہیں تو بصد شوق کریں لیکن حضرت عثمانؓ نے طواف نہ کیا۔یہ عقل وشعور کی بات تھی کہ میرے آقا کو طواف کی اجازت نہیں تو مجھے بھی عمرہ ادا نہیں کرنا چاہئے۔اگر وہ صرف نیک ہی ہوتے تو وہ یہ سوچ کر عمرہ کر لیتے کہ کون سا نبی اکرمؐ نے مجھے منع کر رکھا ہے،یہ تو ہمارے سفر کا مقصد ہے لیکن یہی تو شعور ہے جس کے بغیر قوموں اور جماعتوں کا وقار بلند نہیں ہوا کرتا۔اگر وہ عمرہ کر لیتے تو آج تک غیر مسلم طعنہ دیتے۔یہ تھے نبیؐ کے نمائندے!

اگر کارکن میں شعور کا فقدان ہو تو پھر عقل ودانش کے پیکر جن کی دانائی زمانے میں ضرب المثل اور جن کے عدالتی فیصلے عقل وخرد کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے تھے۔جرات وہمت کے لحاظ سے فاتح خیبر کا اعزاز اور اسد اللہ کا خطاب پانے والے حضرت امیر معاویہ کے مقابلے میں صرف اس لئے پسپا ہوتے چلے گئے کہ ان کے ساتھی جذباتی،کند ذہن اور عقل وشعور سے تہی دامن تھے۔جناب علی المرتضیٰؓ اپنے بے شعور ساتھیوں کو خارجیوں کی ظاہری نیکی اور ان کے خوشنما نعروں سے باز نہ رکھ سکے حالانکہ ان کو بار بار سمجھاتے رہے کہ كَلِمَةُ حَقٍّ اُرِيْدُ بِهَا الْبَاطِلُ خارجیوں کی اس بات پر کان نہ دھرو یہ توحید نہیں بلکہ توحید کے نام پر دھوکہ ہے۔ان بے سمجھ لوگوں کی وجہ سے ہی آپ حضرت معاویہؓ کے خلاف کامیاب نہ ہو سکے۔پھر یہ لوگ نیکی کے نام پر نہ صرف آپ کی جماعت میں اختلاف اور انتشار کا موجب بنے بلکہ صراط مستقیم سے گمراہ بھی ہوئے۔آج بھی کتنے لوگ ہیں جو نیکی،تبلیغ اور دوسرے خیر کے کاموں کے حوالے سے اجتماعی قوت اور طاقت کو ریزہ ریزہ کر رہے ہیں۔

جب تک لوگوں میں شعور پیدا نہیں ہوگا تب تک جماعت کی اجتماعی طاقت میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی جماعت فتنوں سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

ایثار وقربانی

دنیا میں اسباب ووسائل اور قابلیت کے لحاظ سے تمام انسان ہم پلہ اور برابر نہیں ہوتے ہمیشہ کمزور کو توانا ، بیمار کو صحت مند، لاچار کو چارہ گر ، بے اسباب کو باوسائل کی مدد ومعاونت کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایثار وقربانی کے بغیر قوم اور جماعت کا قائم رہنے کی بجائے بکھرنا یقینی ہوجاتا ہے۔ جس قوم اور جمعیت میں ایثار وقربانی کا جذبہ جتنا کم ہوگا اتنا ہی نفرتیں بڑھیں گی۔ آپ چاہے کتنے ہی نیک اور شب زندہ دار ہوں اگر جاننے اور باوسائل ہونے کے باوجود کسی معذور اور مجبور کی مدد نہیں کرتے تو آپ کی ذات قوم، جماعت اور معاشرے کے لئے بے مقصد ہی نہیں، قابل نفرت بھی ہے۔ نبی اکرمؐ نے تو ایسے شخص کو ایمانیات کے دائرے سے خارج قرار دیا ہے۔ جو ہونے اور جاننے کے باوجود مجبور کی مدد نہیں کرتا۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا اٰمَنَ بِیْ مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِهٖ وَهُوَ یَعْلَمُ بِهٖ ۔(معارف الحدیث بحواله طبرانی)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا اس شخص کا کوئی ایمان نہیں جس کا پڑوسی بھوکا سو جائے ذراں حالیکہ وہ جانتا ہو۔

اپنے مجبور بھائی کی مدد کرنا ایک طرف تو اخلاقی اور ایمانی فریضہ ہے اور دوسری طرف تنظیم کا تقاضا ہے کہ آپ اپنے ہمسفر بھائی کے ساتھ ایثار وقربانی کا رویہ اختیار کریں تاکہ وہ بھی زندگی کی دشوار گزار گھاٹیوں پر آسانی سے چل سکے۔ اگر وہ بے روزگار ہے تو

ملازمت کی تلاش میں اس کی مدد کیجیے۔ اگر وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہے تو حسب استعداد اس سے تعاون کیجیے۔ غرض یہ کہ ہر لحاظ سے اسے دلاسہ دینا' دینی اور جماعتی فریضہ ہے یہی وہ جذبہ عمل ہے جس سے آپ دشمن کا بھی دل جیت سکتے ہیں۔ اس لئے زکوٰۃ وصدقات میں سے ایک مد کو تالیف قلوب کے لئے مختص فرمایا گیا۔

اس میدان میں بھی صحابہ کرامؓ نے بے مثال اور لازوال مثالیں چھوڑی ہیں۔ میدان کارزار اور پھر نزع کا عالم۔ جنگ یرموک میں ایک غازی زندگی کے آخری لمحات میں نحیف اور کمزور آواز سے پانی طلب کرتا ہے۔ پانی پلانے والا جب اس کے قریب پہنچا تو دوسری طرف سے آواز آئی - ہائے پانی! اس جان بلب غازی نے اپنی جان بچانے کی بجائے اس طرف اشارہ کیا کہ اسے پانی پلایا جائے۔ صحابیؓ کہتا ہے کہ میں اس طرف گیا تو ایک کونے سے تیسری آواز آئی، کاش پانی کے چند قطرے مل جائیں اس نے بھی اپنی بجائے اس طرف جانے کا اشارہ کیا پانی پلانے والا مجاہد کہتا ہے کہ جب میں تیسرے غازی کے پاس پہنچا تو وہ شہید ہو چکا تھا۔ میں فوراً پلٹ کر دوسرے کی طرف آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بھی اللہ کو پیارا ہو گیا ہے اب میں بھاگ کر اس سے پہلے غازی کی طرف آیا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ اس نے جان جان آفریں کے حوالے کر دی ہے۔ پھر یہ واقعہ بھی تاریخ کا طالب علم پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ ایک مہمان کو کھانا کھلانے کی خاطر پورا گھر تاریکی میں ڈوب جاتا ہے تاکہ مہمان کو خبر نہ ہو پائے کہ جو کھانا دستر خوان پر چنا گیا ہے وہ صرف میرے ہی لئے ہے اور میزبان یونہی اپنی روایت کو زندہ رکھنے کے لئے میرے ساتھ بیٹھا ہوا چپاکے مار رہا ہے۔ ایک طرف تو یہ ایثار رازداری سے سرانجام دیا گیا مگر اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے اس

درجے تک پہنچا کہ صبح حضرت جبریل امین نے پورے کا پورا ماجرا نبی اکرمؐ کی خدمت میں بیان کر دیا۔ اسی موقع پر حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔

فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَقَدْ عَجَبَ اللّٰهُ اَوْ ضَحِكَ اللّٰهُ مِنْ فُلَانٍ وَفُلَانَةٍ۔

جب صبح ہوئی تو نبی اکرمؐ نے ابوطلحہ اوران کی زوجہ محترمہ کا نام لے کر خوشخبری سنائی کہ رات کو آپ نے جو ایثار کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت کی وجہ سے مسکراہٹ کا اظہار فرمایا ہے۔ اور پھر ان آیات کا نزول ہوتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۝ (پ۲۸، الحشر ۹)

اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو ضرورت کے باوجود دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہ تھا جذبہ ایثار و قربانی جس کی وجہ سے صحابہ کرام میں محبتیں اور الفتیں بڑھتی چلی گئیں اور اسی جذبے کی بدولت وہ جسد واحد بن کر آگے بڑھے اور پوری دنیا پر چھا گئے۔

احساس ذمہ داری

احساس ذمہ داری ایک ایسا جذبہ ہے جو انسانی ضمیر کو از خود اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے آمادہ و تیار رکھتا ہے بلکہ یہ ایسی طاقت اور ولولہ ہے جو آگے بڑھ کر کچھ کرنے کا داعیہ پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ جماعتی و قومی نقصان کو دیکھنا ناقابل برداشت بنا دیتا ہے۔ آدمی کے اندر احساس ذمہ داری کا جتنا جذبہ ہوگا اتنا ہی وہ فرائض کو سرانجام دینے والا ثابت ہوگا۔ اس جذبے کی موجودگی میں انسان کو ذمہ دار شخص اور نہ ہونے کی صورت میں نیک سے نیک اور بڑے سے بڑے آدمی کو غیر ذمہ دار کہا جائے گا۔ اس جذبہ واحساس نے نبی اکرمؐ کو کس قدر بے چین اور مضطرب رکھا تھا۔

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝ (پ ۱۹، الشعرا تا ۳)

یہ کتاب مبین کی آیات ہیں۔اے نبیؐ شاید تم اس غم میں جان کھو دو گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے۔

یہ جذبہ واحساس جب تقوٰی اور خدا خوفی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے تو خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ درختوں پر پھدکنے اور چہچہانے والے پرندے کو دیکھ کر رو پڑتے ہیں اور کہتے کاش میں پرندہ ہوتا اور آخرت کے حساب و کتاب سے مامون ہو جاتا۔کبھی بے ساختہ گلی کے تنکے کو پکڑ کر پکار اٹھتے ہیں۔ہائے میں ایک تنکا ہوتا اور آخرت کے حساب سے بچ جاتا۔یہی احساس جب ذمہ داریوں کی انجام دہی کے روپ میں آتا ہے تو فاروق اعظم اعلان کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ اگر کوئی بکری کا بچہ فرات کے کنارے بھوکا مر گیا تو قیامت کے دن عمر کو پوچھا جائے گا۔

لَوْ مَاتَتْ شَاةٌ عَلٰى شَطِّ الْفُرَاتِ ضَائِعَةً لَظَنَنْتُ إِنَّ اللّٰهَ سَائِلِيْ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔(سیرت عمر بن الخطاب، ابن جوزی)

اسی احساس ذمہ داری کی وجہ سے نڈھال ہو کر کروٹیں بدلتے ہوئے رو رو کر دعائیں کرتے ہیں۔حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین جناب فاروق اعظمؓ کو مٹی کے میدان میں لیٹے ہوئے اس حالت میں پایا کہ وہ آسماں کی طرف ہاتھ اٹھائے ہوئے بڑی گریہ وزاری کے ساتھ رب کے حضور دعائیں کر رہے ہیں۔اے اللہ میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں لیکن میری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔الٰہی میری مدد فرما نا کہ میں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکوں۔(الفاروق)

یہی وہ فکر تھا جس نے بڑے بڑے حکمرانوں کو نرم ونازک بستروں اور پرسکون خواب گاہوں سے اٹھا کر تنگ وتاریک گلی کوچوں میں گشت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہی وہ فکر مندیاں تھیں جن کی وجہ سے حضرت عمرؓ کے اصرار کے باوجود حضرت ابو بکرؓ بیعت خلافت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے۔ اسی احساس ذمہ داری کی وجہ سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے جب حضرت عثمانؓ کی خلافت کا اعلان کیا تو اس طرح لڑکھڑا کر ممبر کی طرف آ رہے تھے جیسے ان کو اچانک تکلیف ہو گئی ہو۔ (تاریخ ابن کثیر)

یہ احساس ذمہ داری زندہ ہو تو مجلس شوریٰ کے مشورے اور لوگوں کی تجاویز، عہدے دار کی قوت کار اور احساس ذمہ داری کو مہمیز اور ڈوز کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جب یہ احساس اور ضمیر ہی مردہ ہو جائے تو پھر یہ تمام چیزیں اس کے لئے بار گراں ہی نہیں ثابت ہوئیں بلکہ وہ ان کو اپنی اہانت اور توہین سمجھ کر اس حد تک گر جاتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ○ (پ ۲، البقرۃ ۲۰۶)

جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اسے اپنے وقار کا خیال گناہ پر جما دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے تو بس جہنم ہی کافی ہے۔

اجتماعی کمزوریاں، بیت المال کی اہمیت

نظم جماعت کے لئے اخلاقی ضابطے اور انتظامی احکامات مسلم اور لازم ہیں مگر حقیقی اور ٹھوس بنیادوں پر اجتماعی زندگی اس وقت ہی استوار ہو سکتی ہے جب آپ کمزوروں اور معذوروں کی مشکلات کے حل کے لئے پائیدار نظام پیش کریں گے۔ کیونکہ دکھی اور حاجت مند کو شیریں کلمات اور حوصلہ افزاء ڈائیلاگ سے زیادہ دیر تک مطمئن نہیں رکھا

جا سکتا۔ بیمار دوائی چاہتا ہے اور بھوکا روٹی کا طلبگار۔

اس کے بغیر معاشرے یا جماعت میں ارادت وعقیدت اور اخوت و یگانگت کا پیدا ہونا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ قرآن پاک نے مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف تالیف قلوب کا مختص فرمایا کیونکہ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ قلوب واذہان کو باہم قربت بخشے بغیر افراد کو ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بنابریں اسلامی شریعت نے بالکل ابتدائی ایام میں لوگوں کو فکری اور روحانی غذا فراہم کرنے کے ساتھ ان کی ستر پوشی اور شکم پروری کا باضابطہ اہتمام کیا۔ اور پھر اس نظام کو اپنانے کے لئے ترغیب ہی نہیں بلکہ ترہیب کا انداز اپنایا تاکہ لوگ اس کی اہمیت وافادیت کو جان سکیں۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (پ ۳۰، الفجر ۱۷۔۱۸)

ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو آمادہ نہیں کرتے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (پ ۳۰، الضحی ۹۔۱۰)

یتیم پر سختی نہ کرو اور سائل کو نہ جھڑکو۔

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (پ ۳۰، الماعون ۱ تا ۳)

تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر ترغیب نہیں دیتا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں۔

اسلام کی جماعتی زندگی صرف دو بنیادوں پر قائم ہے ایک روحانی اور دوسری مادی۔ تزکیہ نفس کے لئے پانچ وقت کی نماز کو فرض قرار دیا اور معاشی زندگی کو مستحکم کرنے کے لئے زکوٰۃ کو اسلام کا رکن قرار دیا گیا ہے پھر نماز اور زکوٰۃ کو ۲۶ مقامات پر اکٹھا بیان کیا تا کہ لوگ سمجھ لیں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کو یکساں طور پر نبھانا ہے۔ نماز حقوق اللہ کی ترجمان ہے تو زکوٰۃ عباد اللہ کے حقوق کی پاسبان ہے۔ نماز اللہ کی کبریائی کے اعتراف کا اظہار ہے تو زکوٰۃ مجبوروں بے کسوں کے حقوق کا ادراک پیدا کرتی ہے۔

زکوٰۃ کا اجتماعی نظام

جس طرح تنہا نماز پڑھنے سے ثواب میں کمی، باجماعت ادا کرنے سے اجر میں اضافہ ہوتا ہے بعینہ الگ الگ ادائیگی زکوٰۃ سے ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے جو اجتماعی ادائیگی سے ہو سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ فرضیت زکوٰۃ کے ساتھ یہ حکم بھی صادر فرمایا کہ اسے حکومتی سطح پر اجتماعی صورت میں وصول کیا جائے۔

صاحب شریعت ﷺ نے اسے اسلام کا خزانہ قرار دیا ہے زکوٰۃ کے ایک مقام پر اکٹھا ہونے سے ہی خزانے اور بیت المال کا بالفعل تصور واضح ہو سکتا ہے۔ اگر اسے انفرادی طور پر ادا کیا جائے تو اجتماعی نقصان کے ساتھ اسلام کے خزانہ کا تصور ادھورا رہ جاتا ہے۔ اور ایسی صورت میں جماعتی مشکلات کا اجتماعی انداز میں حل ہونے کی توقع رکھنا لایعنی بات ہوتی۔

بیت المال وسیع تر اور ٹھوس بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے نبی اکرم ﷺ نے مفصل ہدایات جاری کرتے ہوئے مملکت اسلامیہ کے تمام علاقوں میں عامل مقرر فرمائے تا کہ امت کا یہ بیت المال اجتماعی سرمایے سے بھرپور اور لبالب ہو سکے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ٥ (پ١٧،الحج ٤١)

جنہیں ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز کو قائم کریں زکوٰۃ کے ساتھ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

زکوٰۃ کی اجتماعی ادائیگی کے بارے میں صحابہؓ کا موقف

حضرت ابن عمرؓ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا۔

اِدْفَعْهَا مَنْ بَّايَعْتَ۔ اسکو دو جس کے ہاتھ پر تم نے بیعت کی ہے۔

اِدْفَعُوْهَا إلى من ولاه امركم فمن بر فلنفسه ومن اثم فعليها۔

حضرت سہل بن سعدؓ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے سعد بن ابی وقاصؓ ابوسعید خدریؓ ابوہریرہؓ اور ابن عمرؓ سے پوچھا

ان هذا السطان يصنع ما ترون افادع زكاتي اليهم؟

کہ اموی خلفاء جو کچھ کر رہے ہیں کیا اس کے بعد ان کو زکوٰۃ ادا کریں؟

فقالوا كلهم ادفعها إليهم ۔(كتاب الاموال)

سب نے کہا ہاں انہی کو دو۔

بیت المال نہ ہونے کے اخلاقی نقصانات

قرآن حکیم مقاصد زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے فلسفہ زکوٰۃ بھی نمایاں کرتا ہے کہ یہاں اداء زکوٰۃ سے صاحب زکوٰۃ کا مال پاک ہوتا ہے وہاں اس کے نفس پر پڑنے والی آلائشوں یعنی بخیلی اور تنگ دلی کا صفایا اور رعونت ونخوت کا خاتمہ ہوتا ہے۔

سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ٥ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ٥ (پ٣٠،الیل١٧۔١٨)

اس متقی کو جہنم سے بچالیا جائے گا جس نے پاک ہونے کی خاطر اپنا مال خرچ کیا۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۝ (پ ۱۱، التوبہ ۱۰۳)

اے نبیؐ تم ان کے اموال سے زکوٰۃ وصول کر کے انہیں پاک کرو اور نیکی کی راہ میں انہیں بڑھاؤ۔

انفرادی طور پر فریضہ زکوٰۃ ادا کرنے والے شخص میں نرگسیت اور اپنائیت کی وہ بیماریاں اور جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں جو ختم ہونے کی بجائے بسا اوقات مزید بڑھ جاتے ہیں جس کو دیکھنے والا بڑی آسانی سے اندازہ کر سکتا ہے آج کتنے لوگ ہیں جو تہجد، تلاوت قرآن اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے باوجود بھی یہ تمنا اور خواہش رکھتے ہیں کہ لوگ ان کی چوکھٹ پہ حاضری دیں اور جب وہ خود کسی مجلس میں جائیں تو انکو وی۔آئی۔پی کا درجہ دیا جائے ان کے چہروں کے خطوط اس خواہش کی چغلی کھا رہے ہوتے ہیں اور ایسے لوگ مجبوروں اور حاجتمندوں کو اپنے درودیوار کی بارہا دفعہ زیارت پر مجبور کرتے ہیں اور یہ مرض اس حد تک غالب آ چکا ہے کہ یہ نام نہاد مخیّر حضرات شخصی اوصاف اور صلاحیتوں سے تہی دامن ہونے کے باوجود کرسی صدارت وامارت پر براجمان ہونا اپنا استحقاق تصور کرتے ہیں۔اگر بیت المال قائم ہو جائے تو پھر زکوٰۃ دینے اور لینے والے ان تمام بیماریوں سے یکدم محفوظ و مامون ہو جائیں گے کیونکہ جونہی یہ رقم بیت المال میں داخل اور اسلام کا خزانہ قرار پائے گی تو اس پر دولت مند کا حق نہیں ہوگا بلکہ غریب اور سائل ہی اس کا حقدار ٹھہرے گا جسکو پورے احترام واکرام کے ساتھ بیت المال سے حق ملے گا اس سے اسکی عزت وآبرو اور معاشی زندگی کو تحفظ ملے گا۔اسی لئے بیت المال قائم کئے بغیر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے شیرازے کا

مضبوط ہونا مشکل ہی نہیں دکھائی دیتا ہے۔اگر ہم چاہتے ہیں کہ دینے والا ان نجاستوں اور لینے والا ان خباثتوں سے بچ جائے تو پھر بیت المال کا قیام ناگزیر ہی نہیں بلکہ فرض اور لازم ہو جاتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ سے کوتاہی

خالق کائنات نے اس دنیا کو دارالعمل قرار دیا ہے۔انسان اس جہان رنگ و بو میں رہ کر جتنی اور جیسی محنت کرے گا، اتنا اور اس طرح کا ہی ثمر پائے گا۔آخرت میں بھی اپنا بویا ہی کاٹنے والا ہے۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔

انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کے لئے اس نے محنت کی۔

اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔

جب اس دنیا کو آخرت کی کھیتی اور حرکت و عمل کا میدان قرار دیا گیا ہے تو پھر نیک و بد کی تمیز کئے بغیر اصول یہی ہونا چاہئے تھا اور ہے۔جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔اسی اصول کا عکس ہم لیل و نہار کی سکرین پر دیکھتے ہیں۔ایک ہی ڈیسک پر بیٹھنے والے دو طالب علم ایک نیک، شرم و حیا کا پتلا مگر اپنے کام میں عدم توجہ کا شکار ہے۔اس کے مقابلے میں پرلے درجے کا بے شرم اور بے نماز مگر اپنی شب و روز کی محنت کے صلے میں ڈی۔سی اور کمشنر بنا بیٹھا ہے اور تہجد گزار اس کے سامنے ادنیٰ ملازم بن کر گھوم رہا ہے۔ہونا تو اس کے الٹ چاہئے تھا کہ نیک کرسی اقتدار پر ہوتا اور بد عمل اس کے سامنے سائل بن کر کھڑا ہوتا۔لیکن ایسا کیوں نہیں ہوا؟ بات واضح ہے۔اس نے اپنے

نصاب تعلیم میں محنت نہ کی اور وہ رات دن کی کاوش کے نتیجے میں اپنی منزل مراد کو پہنچا

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَالَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ○ (پ۲۵،الشوریٰ ۲۰)

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے اس کی کھیتی کو ہم بڑھاتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے دنیا ہی میں سے دیتے ہیں مگر آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔

یہی قانون افراد کے بعد جماعتوں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اگر جماعت من حیث الجماعت اپنے مشن میں ہمہ جہت جدوجہد کرے گی تو وہ آگے بڑھتی رہے گی ورنہ زمانے کا تیز گام ریلا اس کو پچھاڑ کر آگے گزر جائے گا۔

یہ کاروان ہستی ہے تیز گام ایسا
قومیں کچل گئی ہیں اس کی ہی رہروی میں

ایسی کوشش مسلمان جب اللہ کی رضا اور نبی اکرمؐ کی سنت کے مطابق کرتا ہے تو اس حرکت وعمل کو عمومی محنت کی بجائے جہاد فی سبیل اللہ کے عظیم اور مقدس نام سے پکارا جاتا ہے۔ جو ہر حال اور ہر دور میں حتیٰ کہ قیامت تک جاری رہے گا۔

اَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔ (بخاری،کتاب الجهاد)

جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

اسی لئے امت کو حکم ہے۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (پ۲۸،الصف ۱۱)

ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی

جانوں سے۔ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جان جاؤ۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○ (پ۱۰،التوبہ ۴۱)

نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ جاؤ۔

احسان فراموشی اور احسان شناسی کی انتہاء

اللہ کا دین ہمیں اپنے ساتھ نیکی کرنے والے سے بہتر سلوک اور احسان شناسی کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے رب تعالٰی نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کی تابعداری اور احسان شناسی کا حکم دیا۔ اسی تعلیم کو عام کرنے کے لئے نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے جو بندوں کا شکر گزار نہیں ہوتا وہ اپنے رب کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔ آپؐ اتنے عالی مرتبت ہونے کے باوجود کسی کی معمولی سی نیکی کا بھی شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہتے تھے۔ آپؐ کی اسی طبیعت صالحہ کا نتیجہ تھا کہ غزوہ حنین کے موقع پر حالت جنگ میں دشمن قوم کی خواتین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپؐ انہیں دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت عزت کے ساتھ ان کو بٹھایا، خاص کر ایک عورت کے ساتھ اس طرح ادب و احترام کے ساتھ پیش آئے کہ دیکھنے والے ششدر اور حیران رہ گئے۔ یہ آپؐ کی رضاعی بہن تھیں۔ اگر کوئی دنیا دار انسان ہوتا تو یہ سوچتا کہ کون سا اس کی والدہ نے مجھے مفت دودھ پلایا تھا۔ یہ لڑکی تو اب تک کافر ہے نہیں یہ خاندانی اور اعلیٰ ظرف لوگوں کی سوچ اور کردار نہیں ہوا کرتا۔ آپؐ نے مطعم بن عدی کے اس احسان کو بھی ہمیشہ یاد رکھا جو اس نے طائف سے واپسی پر مکہ میں داخلے کے لئے آپ کو پناہ دینے

کی صورت میں کیا تھا۔اس لئے بدر کے قیدیوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ کاش اگر آج مطعم زندہ ہوتے اور وہ ان کی رہائی کے لئے مطالبہ کرتے تو میں اس کی نیکی کے بدلے ان کو رہا کر دیتا۔

آج بھی وہی جماعت اور معاشرہ ترقی کر سکتا ہے جس میں احسان شناسی اور قدر دانی کا جذبہ پایا جائے۔اسی لئے ورکر کو قیادت اور قیادت کو ورکر کا، شاگردوں کو اساتذہ کا، مقتدیوں کو علماء اور خطباء کا شکر گزار اور قدر شناس ہونا چاہئے کیونکہ وہ دن رات آپ کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔چاہے خدمت کرنے والا کسی بھی نیت وارادے کے ساتھ آپ کے کام آرہا ہو۔ ہمیں اس کا شکر گزار اور اس کے لئے دعا گو ہونا چاہئے۔لیکن افسوس کئی کارکنان حتیٰ کہ بعض علماء کا کردار اور گفتار قیادت کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جیسے وہ کسی ادنیٰ ملازم سے بات کر رہے ہوں۔ یہ احسان فراموشی کی انتہا ہے جس سے دین دار آدمی کو مکمل پرہیز کرنا چاہئے۔

خوش فہمی کی بہاروں سے باہر آیئے

انسان کی کمزوریٔ طبع ہے کہ وہ امیدوں، خوش فہمیوں اور جذبات کے سہارے زندہ رہنا پسند کرتا ہے۔ بے شک امید انسانی زندگی کے لئے تقویت کا باعث ہوتی ہے۔ ناامید اور مایوس انسان زندگی کی مسرت وانبساط کی تمام لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے بسا اوقات موت کا متلاشی بن کر خودکشی کرکے موت کے گھاٹ اتر کر جہنم کا ایندھن بن جاتا ہے۔لیکن کیا محنت وکاوش کے بغیر ممکن ہے کہ آدمی اپنی امید کی جنت کو حاصل کر سکے یا صرف توقعات، جذبات اور خوش کن نعروں کے ہم دوش ہو کر اپنی منزل مقصود کو پا جائے؟ ظاہر ہے ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔اچھی امید کے حصول کے لئے اچھی محنت کی

ضرورت ہے۔ ایسی ہی کیفیت تھی جب اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہونے والے لوگوں پر مشکلات کا بوجھ پڑا۔ ان کے تصورات امید کو دھچکا لگا تو کچھ لوگ چونک اٹھے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے مشکلات کا کیا جواز ہے؟ اس پر قرآن پاک نے ان کی سوچ کے زاویوں کو تبدیل کرنے کے لئے مختلف انداز سے انہیں خطاب کیا اور یہ باور کروایا کہ جس منزل کے تم راہی ہو اس کے حصول سے پہلے ایسی مشکلات اور پریشانیاں اس راستے کا جزو لاینفک ہیں۔ یہ منزل مراد جذباتی نعروں، خوش کن امیدوں کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہو سکے گی۔ اس کے لئے تن من دھن قربان کرنا پڑے گا۔ نہ ہی یہ کام کرامات وتعویزات اور جذباتی نعروں سے ہونے والا ہے۔

الٓمّٓ ○ احسب الناس ان یترکوآ ان یقولوا اٰمنا وھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم فلیعلمنّ اللّٰہ الّذین صدقوا ولیعلمنّ الکٰذبین○ (پ ۲۱، عنکبوت ۲۔۳)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور اللہ کو علم ہے کہ کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹے۔

اَم حسِبتم اَن تدخلُوا الجنۃ ولما یاتِکُم مثلُ الّذِین خلوا مِن قبلِکم مستھمُ الباسآء والضرآء وزلزلوا حتی یقول الرسول والّذین اٰمنوا معہٗ متی نصرُ اللّٰہِ الا اِن نصرَ اللّٰہِ قریبٌ○ (پ ۲، البقرہ ۲۱۴)

پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں

ہوئیں، مصیبتیں آئیں، ہلا کر رکھ دیئے گئے حتیٰ کہ رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ) اب اللہ کی مدد قریب ہے۔
اس بات کو مزید سمجھانے کے لئے بنی اسرائیل کے ان جذباتی لوگوں کا تذکرہ ضروری سمجھا گیا جنہوں نے اپنی مظلومیت اور جذبات کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پیغمبر سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمیں لڑنے مرنے کی اجازت دیجئے اور اس کے لئے کسی ایک کو ہمارا کمانڈر مقرر کیجئے تاکہ ہم دشمن سے اپنے پر ہونے والے جور واستبداد کا بدلہ چکا سکیں وقت کے نبی نے انہیں بہت سمجھایا کہ ابھی تک تم میں وہ قوت وطاقت اور نظم وضبط پیدا نہیں ہو سکا کہ تم دشمن کے مقابلے میں میدان کارزار کے اندر سینہ سپر رہ سکو۔ لیکن جوشیلے ورکروں نے جب اپنے نبی کو مجبور کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو کمانڈر مقرر کر دیا ہے تو پھر ان جذباتی لوگوں نے مختلف بہانے اور اعتراضات شروع کر دیئے لیکن بالآخر مجبور ہو کر یہ لوگ جناب طالوت کے ساتھ نکلے تو انہوں نے از روئے امتحان حکم دیا کہ راستے میں آنے والی نہر سے تم نے ایک آدھ چلو سے زیادہ پانی نہیں پینا۔ چند لوگوں کو چھوڑ کر باقی لوگوں نے حکم عدولی کرتے ہوئے پانی پیا۔ پانی پیتے ہی ان کے پیٹ پھول گئے۔ اس طرح ان کی بددیانتی ظاہر ہوگئی۔

اَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَآ أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَآئِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالظّٰلِمِينَ ○ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ

طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ٥ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ٥ فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّيْٓ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوْا مِنْهُ إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهِ ٥ (پ ۲، البقرۃ ۲۴۶ تا ۲۴۹)

پھر تم نے اس معاملے پر بھی غور کیا جو موسیٰ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو پیش آیا تھا؟ انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے پوچھا، کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تمہیں لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو؟ وہ کہنے لگے! بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم راہ خدا میں نہ لڑے، جبکہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیئے گئے ہیں۔ مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا، تو ایک قلیل تعداد کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے، اور اللہ ان میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا ہے۔

ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے۔ ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے۔ نبی نے جواب دیا۔ اللہ

نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی و جسمانی دونوں قسم کی صلاحیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ اس کے ساتھ ان کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سکون قلب کا سامان ہے اور اس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اور جس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں، اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔ جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا کہ ایک نہر پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے، جو اس کا پانی پئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے، ہاں ایک آدھ چلو کوئی پی لے تو پی لے۔

مگر ایک گروہ قلیل کے سوا سب اس سے دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے، انہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ (تفصیل کے لئے تفسیر ابن کثیر کا مطالعہ فرمائیں)

اعزاز اور احتساب

اسلام نے عقیدۂ آخرت کو بنیادی حیثیت دی ہے۔ آخرت پر یقین و ایمان کا فلسفہ یہ ہے کہ ایک وقت ضرور آنا چاہئے اور وہ آئیگا جب نیک و بد کو اپنے اعمال و افعال کی جزا و سزا کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن جزا و سزا کے معاملے کو صرف آخرت پر ہی نہیں اٹھا

رکھا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو نظم کائنات عدم توازن کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو جاتا۔ نظام حیات کو برقرار رکھنے کے لئے اس دنیا میں بھی عدل وانصاف اور اعزاز واحتساب کے ترازو کو قائم رکھنے کا حکم ہے۔

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (پ۵، النساء ۵۸)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو اور اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔

اچھا کام کرنے والے کی تائید اور حوصلہ افزائی ہونی چاہئے اور جو کوتاہی کا مرتکب ہو اس کا احتساب بھی ضروری ہے۔ اس کے بغیر تو زندگی کی گاڑی کا پہیہ آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اسی اصول کو اپناتے ہوئے نبی کریم فعال اور نمایاں کردار کے حامل حضرات کی زبردست حوصلہ افزائی فرماتے۔ حضرت ابوبکرؓ کی سچائی وراست بازی کو دیکھ کر انہیں صدیقؓ کے اعزاز سے سرفراز فرمایا۔ حضرت عمرؓ کی غیرت ایمانی کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ جس کوچے سے عمرؓ گزرتا ہے شیطان وہاں سے اپنا راستہ تبدیل کر لیتا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی سخاوت کو سامنے رکھتے ہوئے ارشاد ہوا عثمان اب کے بعد کوئی بھی نیکی (نفلی) نہ کرے تو اسے اتنی ہی نیکی کافی ہے۔ حضرت علیؓ کو اسد اللہ کا اعزاز عطا فرمایا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ امین الامۃ کے منصب پر فائز ہوئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ سیف من سیوف اللہ کے تمغہ بسالت سے نوازے گئے۔ جس طرح باکردار لوگوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے اسی طرح نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر مجرموں، کام چوروں، بددیانتوں اور جماعت کی عزت وشہرت اور مشن کو نقصان

پہنچانے والوں کا محاسبہ بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر معاشرہ اور جماعت میں جرم نہیں جرائم، مرض نہیں امراض، ایک مجرم کی بجائے مجرموں کے گروہ پیدا ہوں گے صرف ایک کارکن ہی غفلت نہیں کرے گا بلکہ جماعتیں تغافل کا مظاہرہ کریں گی۔ اس کے لئے بہتر صورت یہ ہے کہ جماعت کے اندر شعور اور اخلاقی قدروں کو اتنا بلند کیا جائے کہ غلطی کرنے والا خوف خدا یا اپنے ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کر دے۔ جیسا کہ نبی اکرمؐ نے یہ ماحول پیدا کیا تھا۔ اسی بنا پر ایک عورت سے جب اخلاقی جرم کا ارتکاب ہوا تو وہ خوف خدا اور ضمیر کی خلش سے مجبور ہو کر آپؐ کی عدالت عظمیٰ میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ اللہ کے رسولؐ میرے وجود کو پاک کیجئے۔ آپؐ نے حکم دیا، واپس چلی جاؤ بچہ پیدا ہونے کے بعد میرے ہاں حاضر ہونا۔ اسی طرح وہ کئی بار اللہ کے نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بالآخر اس پر حد جاری کی گئی۔ نبی اکرمؐ نے اس کے اس کردار کی زبردست تحسین فرمائی۔

اسی طرح حضرت ابولبابہؓ سے ایک غلطی ہوئی۔ انہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر جماعتی راز بنو قریظہ کو اشارۃً بتلا دیا لیکن فوراً بعد انہیں اس قدر شدت کے ساتھ اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ اس کے بعد ابولبابہؓ نے اپنے گھر جانے کی بجائے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ جکڑ لیا۔ جب نبی اکرمؐ کو اس معاملے کا پتہ چلا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ اس کاروائی سے پہلے میرے پاس آ جاتا تو میں اسے معاف کر دیتا لیکن اب اس کا فیصلہ اللہ ہی کی طرف سے نازل ہو گا۔ چنانچہ ابولبابہؓ چھ دن تک مسلسل ستون سے بندھے رہے۔ کھانے، قضائے حاجت اور نماز کے لئے ان کی بیوی آ کر کھول دیتی تھی۔ وہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اسی طرح بندھ جاتے تھے۔ چھ دن

کی رضا کارانہ قید کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ صحابہؓ ان کو کھولنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن انہوں نے آزاد ہونے سے انکار کر دیا کہ اب انہیں رسول اللہؐ ہی یہاں سے رہا کریں گے۔ چنانچہ نماز فجر کے بعد نبی اکرمؐ نے ان کی جکڑ بندیوں کو اپنے دست مبارک سے کھولا۔ دنیا میں خود احتسابی کی اس سے بڑھ کر کوئی مثال ملنا مشکل ہے۔

جماعتی کام میں سستی پر سوشل بائیکاٹ

نبی اکرمؐ نے سلطنت روما پر یلغار کرنے سے ایک مہینہ پہلے ہنگامی حالات کا اعلان فرمایا اور حکم دیا کہ ہر کوئی اپنے وسائل میں رہ کر زبردست تیاری کرے۔ تاریخ معین پر آپ لشکر جرار کو لے کر روم کی سرحدات کی طرف روانہ ہوئے۔ اب آپ کے پیچھے مدینہ طیبہ میں معذور اور منافقین رہ گئے۔ تاہم ان میں تین مخلص صحابہؓ بھی تھے جو اپنی سستی کی وجہ سے لشکر میں شامل نہ ہو سکے۔ نبی اکرمؐ پچاس دن کے بعد مدینہ واپس پلٹے تو منافقین نے جھوٹی قسمیں اور بہانے پیش کر کے معذرت کی لیکن تین صحابہؓ حضرت کعب بن مالکؓ، مرارہ بن ربیعؓ اور ہلال بن امیہ نے سچائی اختیار کرتے ہوئے اقرار کیا کہ ہم صرف سستی اور غفلت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ نبی اکرمؐ نے ان کے خلاف سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ جب چالیس دن گزر گئے تو آپؐ نے ان کی عورتوں کو بھی الگ ہونے کا حکم دیا۔ اس ساری صورت حال کو کعب بن مالکؓ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ میں جب نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کرتا تو آپؐ اور دوسرے مسلمان میرے سلام کا جواب بلند آواز سے دینے کی بجائے صرف ہونٹوں کو حرکت دیتے۔ اس بے چینی اور پریشانی کے عالم میں میرے دوسرے ساتھی اپنے گھروں میں دبکے رہتے۔ جب ایک دن میرا دل حالات کی تنگی کی وجہ سے

پھر آیا اور میں نے اپنے چچازاد بھائی سے ملاقات کے لئے اس کے باغ میں پہنچا۔ اس نے میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں بے ساختہ رو پڑا اور اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول کا وفادار ہوں۔ اس نے میری تائید کرنے کی بجائے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ میں روتے ہوئے اپنے گھر پلٹ آیا ہمارے لئے زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو چکی تھی کہ ہمارا جینا دوبھر ہو گیا۔ قرآن پاک نے اس صورت حال کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وَّعلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيۡنَ خُلِّفُوۡا حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتۡ عَلَيۡهِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَضَاقَتۡ عَلَيۡهِمۡ اَنۡفُسُهُمۡ وَظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيۡهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيۡهِمۡ لِيَتُوۡبُوۡا‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ۠ (پ ۱۱، التوبہ ۱۱۸)

اور ان تینوں کو بھی اللہ نے معاف کر دیا جن کے معاملہ کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بوجھ بن گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

یہ احتسابی ماحول تب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب خوف خدا یا ضمیر زندہ ہو۔ اگر خدا کا خوف اٹھ جائے اور ضمیر پر حرص و ہوس، شہرت اور عہدے کا لالچ غالب آ جائے تو امیر جماعت کا فرض ہے کہ وہ لا یخافون لومۃ لائم کا کردار ادا کرتے ہوئے ایسے لوگوں کا محاسبہ کرے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ دہشت گرد جماعتوں کی طرح کارکنوں کو مروایا جائے یا پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے۔ جو لوگ ملک، جماعت، مسلک کے

لئے ننگ وعار ہوں ان پر اخلاقی دباؤ تو قائم کرنا چاہئے کہ وہ معاشرے اور جماعت میں دندنانے کی بجائے اپنے آپ میں خفت محسوس کریں ورنہ جماعت اخلاقی انحطاط کا شکار ہو کر اپنا مقام کھو بیٹھے گی اور ایسے لوگ جماعت اور دین کے لئے کلنک کا ٹیکہ ثابت ہوں گے۔

فعال اور متحرک رائے عامہ

نبی اکرمؐ نے اجتماعی زندگی کو ایک کشتی کے مشابہ قرار دیا ہے۔ خدانخواستہ اگر کشتی نقصان یا بھنور کا شکار ہو جائے تو بادبان سے لے کر آخری مسافر تک مصیبت ناگہانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کشتی کے کنارے لگنے پر تمام مسافروں کا ساحل مراد تک پہنچنا لابدی امر ہے۔ اس لئے ایک کشتی پر سفر کرنے والوں کو انفرادی مفاد کی بجائے اجتماعی مفاد کو مدنظر رکھنا طوعاً وکرھاً ضروری ہے۔ اسی سوچ کو زندہ و بیدار رکھنے کے لئے نبی اکرمؐ نے ایک مثال کے ذریعے سمجھایا کہ دوران سفر کشتی کے نیچے والے حصے کے لوگ پانی حاصل کرنے کے لئے اوپر جاتے ہیں۔ اوپر والے ان کے آنے جانے کو اچھا نہیں سمجھتے۔ نچلے طبقے کے لوگ کشتی میں سوراخ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر اوپر والے بے حسی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کریں گے تو اوپر نیچے والے تمام غرق ہو جائیں گے۔ اس مثال سے آپ نے کئی مسائل سمجھائے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بڑے طبقے کو چھوٹے یعنی نچلے طبقے کے لوگوں کا لحاظ اور خیال رکھنا چاہئے۔ دوسرا اجتماعی زندگی کا جہاز اس وقت ہی ساحل مراد تک پہنچ سکتا ہے جب تمام لوگ جماعتی مفاد کے لئے کوشاں رہیں گے۔ پھر یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ اگر چھوٹے طبقے کے لوگوں کے حقوق میں رکاوٹ پیدا کی جائے تو لامحالہ وہ اپنے لئے کوئی دوسرا راستہ تلاش کریں گے اور اس

کے ساتھ یہ بات تو اس مثال کا مرکزی نقطہ ہے کہ اگر اجتماعی زندگی میں غلطی کرنے والے گروہ کو روکنے کی بجائے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا جائے گا تو جماعتی اور اجتماعی زندگی کے بیڑے کی غرقابی فطری امر ثابت ہوگا اس لئے اس امت کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرض قرار دیا گیا۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (آل عمران،١٠٤)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ. (مسلم، مشکوۃ باب الامر بالمعروف)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے نبی کریمؐ نے فرمایا جو تم میں سے برائی دیکھے وہ ہاتھ سے روکے۔ اگر ہمت نہیں تو زبان سے منع کرے۔ یہ بھی نہیں کر سکتا تو دل سے برا سمجھے اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

اسی رائے عامہ کو فعال اور متحرک رکھنے کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی پہلی تقریر میں فرمایا تھا۔ لوگو، جب تک میں اطاعت رسولؐ کی شاہراہ پر چلوں میرا ساتھ دینا اور میرے ہمقدم رہنا اور اگر میں صراط مستقیم کو چھوڑ کر ٹیڑھا چلنے لگوں تو مجھے سیدھا چلنے پر مجبور کرنا آپ کی ذمہ داری ہوگی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر فرمایا، کہ لوگوں، اگر میں یہ کام اس طرح کرنے کی بجائے اس طرح

کروں تو تم میرا کیا بگاڑ لو گے؟ تو مجمع کو چیرتا ہوا ایک بوڑھا صحابیؓ آگے بڑھ کر کہنے لگا آپؓ کر کے تو دیکھیں تلوار کی نوک سے آپؓ کو سیدھا کر دیا جائے گا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ چلے جا رہے ہیں کہ اچانک ایک آدمی نے آپؓ کے کسی اقدام پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ آپؓ کے ساتھی نے اسے کہا ذرا غور کرو کس پر تنقید کر رہے ہو؟ جناب فاروقؓ نے فرمایا اسے بات کہنے دو، اگر یہ لوگ اپنا فرض ادا نہیں کریں گے تو یہ مجرم ہوں گے اور اگر ہم ان کی صحیح بات نہیں سنیں گے تو ہم مجرم ٹھہریں گے۔ اسی رائے عامہ اور حق گوئی کی خاطر حضرت امام مالکؒ کو مسند رسولؐ سے اٹھا کر مدینہ کے گلی کوچوں میں گھمایا گیا تھا۔ اس فرض کی پاداش میں حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو کوڑے لگائے گئے تھے اور اسی جرم کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے جنازے جیل کی کال کوٹھڑیوں سے نکلے تھے۔ لیکن افسوس لوگ ادھر ادھر باتیں کرتے ہیں لیکن باضابطہ مجالس میں کلمہ حق نہیں کہتے۔

اظہار رائے کے آداب

رائے عامہ کو فعال اور متحرک ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں لینا ہیں کہ آپ یکا یک بازار میں نکل کر ڈھنڈورہ پیٹنا شروع کر دیں اور سمجھیں کہ میں حق گوئی کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ نہیں، اس اقدام سے پہلے کچھ آداب ہیں جن کو اختیار نہ کیا جائے تو اس اظہار حق کا نتیجہ اصلاح کی بجائے فساد کی صورت میں نکلتا ہے اور ہر بات کو آپ سر عام ہی کرنے کی کوشش کریں گے تو متعلقہ شخصیت کے لئے خفت بھی ہے اور جماعت میں مایوسی پیدا ہونے کا خدشہ بھی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مومن، مومن کے لئے آئینہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰةُ اَخِیْهِ فَاِنْ رَأٰی بِهٖ اَذًی فَلْیَمِطْ۔ (ترمذی بحواله مشکوة)(یه حدیث ضعیف هے)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب تم سے کوئی اپنے بھائی میں خرابی دیکھے تو دور کردے۔

آپ آئینہ سے دور ہو جائیں تو وہ کچھ نہیں دکھاتا۔ یہی کردار ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کے بارے ہونا چاہئے۔ اس کی غیر موجودگی میں کچھ نہ کہے۔

ظاہر ہے آئینہ قریب سے دیکھا اور دکھایا جاتا ہے۔ پھر آئینہ وہی کچھ دکھاتا ہے جو اس کے ٹھیک ٹھیک سامنے آتا ہے۔ اصلاح کے لئے کارکن کا یہی انداز ہونا چاہئے۔ معاشرے میں کسی غلطی کے ذمہ دار کو خلوت میں سمجھانا زیادہ بہتر نتائج پیدا کرتا ہے۔ چہ جائیکہ آپ اسے سر عام تنقید کا نشانہ بنائیں۔ پھر جس بات سے آپ اس کو تنہائی میں آگاہ کر چکے ہیں اجلاس میں بیان نہ کیجئے۔ کسی کی کمزوری کی نشاندہی کرتے ہوئے جذبات کی بجائے ہوشمندی اور خطابت کی بجائے عام بات کرنے کا سلیقہ اختیار کیا جائے۔ اس میں مبالغہ ہرگز نہ کریں اور ملائم الفاظ استعمال فرمائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو یہی ہدایت فرمائی تھی۔

اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ○ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّیِّنًا○ (پ۱۶،طٰهٰ۴۳)

کہ اے موسیٰ فرعون کی طرف جاؤ اس کی سرکشی اور بغاوت میں کوئی کسر نہیں لیکن آپ سمجھانے اور بات کرنے میں نرم ترین الفاظ اختیار فرمائیں۔ ان آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی کا حق ہے۔ کیونکہ رائے عامہ فعال اور متحرک رہے گی تو جماعتی زندگی اور مسلم معاشرہ میں برائی سکڑتی اور نیکی پھیلتی جائے گی۔

پھر ابوداؤد کی روایت کے مطابق یہ کام تنہائی میں کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ نبی اکرمؐ تبلیغ عام میں یہی انداز اختیار فرماتے تھے۔ بعض لوگوں میں یہ کمزوری ہے۔ ان کو اس کمزوری یا گناہ سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہی طریقہ حضرت امام بخاریؒ کا ہے۔ وہ اکثر فرماتے ہیں۔ وقال بعض الناس۔ تنقید کرنے والے کو اس بات پر بھی توجہ رکھنی چاہیے کہ جس معاملہ پر وہ جرح کر رہا ہے اس کام میں اس کے ساتھ تعاون کیا ہے۔ صرف تجاویز ہی پیش کرنے یا تنقید برائے تنقید سے کیا فائدہ ہوگا؟

صحابہؓ کے چند واقعات کو سامنے رکھ کر کارکنان یا ذمہ دار حضرات کو یہ وطیرہ ہی نہیں بنا لینا چاہیے اور نہ جماعت میں ایسی فضا قائم کرنی چاہیے کہ جو چاہے، جب چاہے اور جس انداز میں چاہے تنقید کرتا چلا جائے۔ ہاں اگر آپ علیحدگی میں اس بات سے متعلقہ آدمی کو آگاہ کر چکے ہیں اس نے کمزوری دور نہیں کی یا وہ کمزوری جماعت میں عام ہوگئی ہے تو پھر کسی کی ذات کو ہدف بنائے بغیر مبالغہ آمیزی اور جذباتی انداز سے بچ کر سر عام محاسبہ کر سکتے ہیں۔

اجلاس کی اہمیت اور اس کے تقاضے

انسانوں کا باہم مل بیٹھنا ان کی طبعی اور معاشرتی ضرورت ہے۔ یہ تفریح طبع، دکھ سکھ کے اظہار کے ساتھ باہمی محبت والفت کا مظہر ہوتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات پر تبصرہ، پیش آمدہ مسائل پر غور وخوض اور آئندہ کی منصوبہ بندی کے لئے موثر فورم ہے نبی اکرمؐ نے صحابہؓ سے استفسار فرمایا کہ تم اکٹھے ہوکر چوراہوں میں کیوں بیٹھتے ہو؟ تو رفقائے رسولؐ نے عرض کیا، اللہ کے پیغمبر، اس طرح اکٹھے ہوکر بیٹھنا ہماری مجبوری ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا، اچھا راستے کے حقوق کا خیال رکھنا (نگاہوں کو نیچے رکھنا، سلام

کا جواب دینا، مسافر کو راستہ بتلانا وغیرہ) (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوۃ باب السلام)

اسلام نے اس سماجی مجبوری اور غیر رسمی اجلاس کو نہ صرف آئینی اور اخلاقی سپورٹ مہیا کی بلکہ اس کے ساتھ کئی اختیارات بھی عنایت فرمائے کہ پیش آمدہ مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے امت مسلمہ باہم مل بیٹھ کر یہ فیصلہ کرے کہ انہوں نے ان مسائل سے کس طرح عہدہ برآ ہونا اور اپنے قافلہ حیات کو کس سمت چلانا ہے؟ تاکہ حیات اجتماعی کا کارواں اپنی منزل مراد کی طرف رواں دواں رہے۔ ایسی مجالس کبھی باضابطہ ہوتی ہیں اور کبھی اتفاقی۔

اتفاقی مجلسوں کے بھی اخلاقی تقاضے ہوتے ہیں۔ مگر باقاعدہ اور باضابطہ اجلاسوں کے لئے شریعت نے واضح اصول مقرر کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

پہلا اصول

یہ مجالس نیکی کے لئے منعقد کی جائیں۔ ان میں ایک دوسرے کی خیر خواہی، امت اور ملت کی بھلائی کا ایجنڈا ہونا چاہئے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۝ (پ ۲۸، المجادلہ ۹)

اے ایمان والو! جب تم چپکے سے گفتگو کرو تو گناہ اور زیادتی سے احتراز کرو۔

دوسرا اصول

دوسرا اصول یہ ہے کہ آنے والا کندھے پھلانگنے کی بجائے جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔ البتہ دوسروں کو حکم ہے کہ آنے والے کے لئے جگہ بنانے کی کوشش کریں۔ اس میں آنے والے کی حوصلہ افزائی بھی ہے اور نشست کا اہتمام بھی۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (پ۲۸، المجادلہ ۱۱)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو، اللہ تمہیں کشادگی بخشے گا۔

لَا يُقِيْمُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ فَيَجْلِسُ فِيْهِ وَلٰكِنْ تَفَسَّحُوْا وَتَوَسَّعُوْا

نبی اکرمؐ نے فرمایا کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے بلکہ تم لوگ خود دوسروں کے لئے جگہ کشادہ کرو۔

قدیم ترین معاشرتی کمزوری

معاشرتی آداب کے سلسلہ میں لوگوں میں ہمیشہ یہ کمزوری رہی ہے کہ کسی کے ہاں خاص کر کسی بڑی شخصیت کے پاس جاتے ہیں تو جم کر بیٹھے رہتے ہیں۔ اور انہیں اس بات کی مطلق پرواہ نہیں ہوتی کہ ہمارے میزبان نے آرام بھی کرنا ہے یا اور بھی کام کرنے ہوں گے یا پھر دوسروں کو بھی وقت دینا ہوگا۔ وہ بھی ہماری طرح تخلیہ کے خواہش مند ہوں گے۔ اخلاق کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اٹھ کھڑے ہوں کیونکہ اگر میزبان تشریف لے جانے کے لئے کہے تو برا مانتے ہیں۔ اگر وہ خود اٹھ کے دوسرے کام میں مشغول ہو جائے تو بد اخلاقی تصور کی جاتی ہے۔ لوگوں کے اس طرز عمل سے نبی اکرمؐ کو بھی سابقہ پڑتا تھا کئی اللہ کے بندے عقیدت ومحبت و برکت اور اعزاز سمجھ کر اپنی آمد کا مقصد پورا ہونے کے باوجود بیٹھے رہتے تھے۔ یہ بات نبی اکرمؐ کے لئے تکلیف کا باعث تھی اور آج بھی کسی میزبان کے ساتھ یہ

سلوک کیا جائے تو وہ بھی ایسے حضرات کی بے مقصد صحبت کو بوجھ محسوس کرتا ہے۔اس لئے قرآن پاک نے یہ حکم دیا کہ! جب تمہیں اٹھنے کے لئے کہا جائے تو تمہیں اٹھ جانا چاہئے۔اس میں صاحب مجلس کی بداخلاقی اور اٹھنے والے کی بے وقعتی نہیں ہے کیونکہ اللہ کے ہاں اعلیٰ اقدار کے مالک ہی عزت والے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ انشُزُوا فَانشُزُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ٥ (پ۲۸، المجادلہ ۱۱)

اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ کو اس کی خبر ہے۔

چوتھا اصول

چوتھا اصول یہ ہے کہ اجلاسوں میں ہونے والی ان باتوں کو پھیلانے سے پرہیز کیا جائے جن سے باہم نفرت وعداوت پیدا ہونے اور جماعت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ یا ملت کو نقصان پہنچنے کا ڈر ہو۔ان باتوں کو آگے بیان کرنے سے قطعاً پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ نبی اکرمؐ کا فرمان ہے کہ مجلس امانت ہوتی ہے۔المجالس بالامانۃ مجلس کی گفتگو امانت ہوتی ہے۔اجلاس میں آپ کو کسی بات سے اختلاف تھا تو مجلس سے باہر جا کر اس کا اظہار کرنا تا کہ لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کی جائیں یا اپنی عقل ودانش، جرات وہمت کے قصے بیان کر کے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنا اخلاقی بددیانتی، غیبت اور کردارکشی کرنے کے مترادف ہے۔اس صورت حال میں کارکنان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کی باتوں سے متاثر ہوئے بغیر اپنی وابستگی کو جماعت کے ساتھ مستحکم رکھیں۔

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍo هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍo (پ۲۹،القلم ۱۰،۱۱)

ایسے شخص کی بات ہرگز نہ مانئے جو قسمیں کھانے والا، بے حیثیت طعنے دینے والا اور چغلیاں کرنے والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍo (پ۳۰،الھمزہ ۱)

تباہی و بربادی ہے اس کے لئے جو دوسرے کے سامنے طعنہ زنی کرتا اور غیر حاضری میں برائیاں کرنے کا عادی ہے۔

اظہار خیال کیجئے مگر مختصر

جب کسی موقع پر اظہار خیال کا آپ کو موقع فراہم کیا جائے تو اخلاقی ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے پوری دیانتداری کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیجئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے مجلس میں ایک آدمی کو اظہار رائے کے لئے فرمایا تو اس نے اپنے خیالات کا اظہار کرنے کی بجائے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ اِس مسئلے کو بہتر جانتا ہے۔ آپؓ نے ناراض ہو کر فرمایا کہ اس میں کیا شک ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ لیکن میں نے اللہ کے علم کے بارے میں نہیں، تجھ سے تیرے علم اور رائے کے بارے میں سوال کیا ہے۔ جس کا تجھے جواب دینا چاہئے تھا۔ لیکن اظہار خیال کا یہ معنی نہیں کہ اجلاس میں ایک ہی شخص بولتا چلا جائے اور دوسروں کو موقع نہ مل پائے۔ بلکہ اظہار خیال کرنے والے کے لئے لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے، اپنی بات پر اصرار اور تکرار کی بجائے مختصر کرے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّهُ قَالَ يَوْمًا وَقَامَ رَجُلٌ فَاَكْثَرَ الْقَوْلَ فَقَالَ عَمْرٌو لَوْ قَصَرَ فِي قَوْلِهِ لَكَانَ خَيْرٌ لَّهُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَقَدْ رَأَيْتُ أَوْ قَالَ أُمِرْتُ أَنْ أَتَجَوَّزَ فِي الْقَوْلِ فَإِنَّ الْجَوَازَ هُوَ خَيْرٌ۔(ابو داؤد)

ایک شخص نے عمرو بن عاصؓ کے سامنے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے لمبی گفتگو کی۔ اس وقت عمر بن عاصؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اکرمؐ سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا تھا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مختصر بات کیا کروں، کیونکہ اختصار میں بہتری ہے

خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ۔

بہتر انداز مختصر کلام ہے۔

یہ بات بھی اہل مجلس کو یاد رکھنی چاہئے کہ جب کوئی بات کر رہا ہو تو دوسرا اس کی گفتگو کو خاموشی کے ساتھ سنے۔ صحابہ کرام کا یہی طرز عمل تھا کہ جب نبی اکرمؐ ارشادات فرماتے تو حاضرین مجلس اس طرح سکون کے ساتھ سنتے کہ جیسے ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔ پھر جس مجلس میں آپ کو بلایا گیا ہے آپ کا اخلاقی فرض ہے کہ اگر آپ اجلاس برخاست ہونے سے پہلے جانا چاہتے ہیں تو اجازت لے کر جائیں جب کہ آج کل بڑے بڑے علماء اور زعمائے کرام کو دیکھا گیا ہے کہ نماز کے لئے وقفہ یا کھانے کا وقت ہو، جونہی موقع ملا تو بغیر اجازت کھسک جاتے ہیں۔ جس سے ایک طرف جماعتی امور میں عدم دلچسپی اور دوسری طرف اخلاق کی سطحیت کی نشاندہی ہوتی ہے جو علماء اور معزز اراکین کو قطعاً زیب نہیں دیتا۔ ایسا کرنا ان کے علو مرتبت کے خلاف ہے۔ قرآن پاک نے اس اخلاقی جرم سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَإِذَا كَانُوْا مَعَهُ عَلٰى أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَأْذِنُوْهُ إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ

يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَإِذَا اسْتَاذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَانِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥ (پ١٨، النور ٦٢)

مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو دل سے مانیں اور جب کسی اجتماعی کام کے موقع پر رسولؐ کے ساتھ ہوں تو اس سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔ اے نبیؐ جو لوگ تم سے اجازت مانگتے ہیں وہی اللہ اور رسولؐ کے ماننے والے ہیں پس وہ اپنے کام سے اجازت مانگیں تو جسے تم چاہو اجازت دے دیا کرو اور ایسے لوگوں کے حق میں اللہ سے دعائے مغفرت کیا کرو، یقیناً اللہ غفور و رحیم ہے۔

مشاورت کی اہمیت اور غرض و غایت

قرآن پاک نے مشاورت کے لئے اجلاس منعقد کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ مسلمان جماعتی مسائل کو جماعتی انداز میں حل کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرز عمل کے بیک وقت کئی فوائد ہیں۔ ایک طرف اراکین جماعت کی دلجوئی ہے اور دوسری جانب ان کی صلاحیتوں سے اجتماعی فائدہ اٹھانا اور ان کی انفرادی فکر کو اجتماعی نظام اور باہمی شرکت فکر و عمل کا موقع فراہم کرنا ہے۔ یہ ایسا خیر و برکت سے بھرپور عمل ہے، جس سے نبی اکرمؐ کی ذات علی صفات کو بھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا گیا۔ حالانکہ آپ مسلسل اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور ہدایات میں زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کی راہنمائی فرما رہے تھے۔ آپؐ کی ذات گرامی کو حکم ہوا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ٥ (پ٤، آل عمران ١٥٩)

اور معاملات میں ان کو شریک مشورہ رکھا کرو، پھر جب تمہارا عزم کسی رائے پر پختہ ہو

جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔
پھر اس کارِ خیر کی اہمیت وافادیت کو اجاگر اور ممتاز رکھنے کے لئے پانچ رکوع پر مشتمل ایک سورۃ کا نام ہی الشوریٰ رکھ دیا گیا تا کہ رہتی دنیا تک مسلمان مشاورت کے اصولوں کو اپناتے ہوئے اجتماعی زندگی بسر کرتے رہیں۔ جب کہ نبی اکرمؐ ان احکامات کے نزول سے قبل بھی صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے لیکن نزول حکم کے بعد تو یہ حالت ہو گئی کہ آپؐ ہر کام میں صحابہ سے مشورہ فرماتے تھے۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ مشورہ کن امور میں کرنا چاہئے؟ مشاورت کا حدود اربعہ کیا ہے؟ جہاد کے سلسلے میں بدر، احد، خندق غرضیکہ ہر اہم معاملہ میں آپؐ صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے۔ جنگ سے پہلے شوریٰ کے اجلاس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ جہاد کرنا چاہئے یا نہیں۔ اللہ کے واضح احکامات آ جانے کے بعد تو ان کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں مشورہ تو درکنار، سوچنا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ مشاورت تو اس بات پر کرنی ہے کہ دشمن پر ابھی اور فوری حملہ کرنا ہے یا کہ موسم، وقت، میدان جنگ کا انتخاب، اپنی اور دشمن کی جنگی تیاریوں کا پورا پورا اندازہ کر کے قدم بڑھانا ہے۔ ان امور کو اللہ تعالیٰ نے امت کے ذمہ داران پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ دیانت داری سے تجزیہ کریں کہ ہم نے آگے بڑھ کر یلغار کرنی ہے یا صرف دفاع کرنا ہے۔ اسی طرح امت کو یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ جہاد کی منصوبہ بندیوں کے ذریعے دشمن کو اس مقام پر لا کھڑا کریں کہ حالات ان کے خلاف اور آپ کے موافق ہو جائیں۔ ان وجوہ کی بنیاد پر ارشاد ہے۔

الحرب خدعة۔ جنگ تو چالوں کا دوسرا نام ہے۔

اسی بنا پر نبی اکرمؐ اور مسلمان کمانڈر ٹھنڈے دل و دماغ سے جہاد سے پہلے غور و خوض

کرتے آئے ہیں اور ایسا ضرور کرنا چاہئے۔ میدان جنگ میں کامیابی کے ساتھ تو یہ بات بھی کمانڈر کی لیاقت وصلاحیت کا بین ثبوت ہوتا ہے کہ اپنا نقصان کم سے کم اور دشمن کا جانی، مالی نقصان زیادہ سے زیادہ ہو۔ گویا کہ ہر حال میں غازی بننے کی کوشش مسلمان سپاہی کا فرض ہے۔ باقی رہی شہادت کی بات، جہاد تب تک ممکن ہے جب تک کٹ مرنے کا جذبہ لے کر میدان کارزار میں نہ اترا جائے۔ یہ وہ جذبہ ہے جس کا اظہار آپ نے مسلح افواج کو خطاب کرتے ہوئے کیا تھا۔

انہیں جذبات کا مظاہرہ غازی اور شہید ہونے والے مجاہد کیا کرتے تھے۔ اگر جہاد کا معنی صرف یہی لیا جائے کہ میں نے دشمن کو مارنے اور نقصان پہنچانے کی بجائے آگے بڑھ کر اندھا دھند مرنا ہی مرنا ہے۔ ایسی شہادت تو اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ سودمند نہیں۔ اگر یہ منصوبہ بندی کرتے ہوئے مجاہدین کی اکثریت پوری دیانت داری سے حالات وواقعات کی روشنی میں ایک طرف ہو تو اقلیت کو اکثریت پر ترجیح دی جائے گی کہ کہیں شورائیت، جمہوریت کے مشابہ نہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں میدان جنگ میں مجاہدین کس طرح دلجمعی اور یکسوئی سے لڑسکیں گے۔

آپؐ کے دور مبارک میں مجلس شوریٰ کے اجلاس اور ان کا ایجنڈا

اقامت صلوٰۃ کے لئے اجلاس

انس بن مالکؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ مدنی دور کے آغاز میں لوگ نماز کے اوقات اپنے اپنے اندازے سے متعین کرتے تھے۔ ایک روز جماعت کے لئے اجتماعی مشورہ کیا گیا۔ کسی نے یہود کے بوق کی تجویز پیش کی اور کسی نے نصاریٰ کے ناقوس کی تجویز پیش کی مگر حضرت عمرؓ نے یہ رائے دی کہ ایک شخص کو مقرر کیا جائے جو

نماز کے اوقات میں بلند آواز سے لوگوں کو بلائے ۔ چنانچہ اسی پر فیصلہ ہوا اور رسول اللہؐ نے اس کام پر حضرت بلالؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت بلالؓ نماز کے اوقات میں بلند آواز سے الصلوۃ جامعۃ کہا کرتے تھے۔ یعنی لوگو! نماز کے لئے جماعت تیار ہے لیکن بعد میں حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ سنے اور رسول اللہؐ نے بلالؓ کو انہی الفاظ کے ساتھ اذان کا حکم دیا بعد ازاں وحی بھی اسکی تائید میں آ گئی۔ ابن حجر فرماتے ہیں۔

مَبْدَاءُ الْاَذَانِ کَانَ عَنْ مَشْوَرَۃٍ اَوْقَعَھَا النَّبِیُّ بَیْنَ اَصْحَابِہٖ حَتّٰی اِسْتَقَرَّ بِرُؤْیَا بَعْضِھِمْ وَفِیْہِ مَشْرُوْعِیَّۃُ تَشَاوُرٍ فِی الْاُمُوْرِ الْمُھِمَّۃِ

اذان کا آغاز مشاورت سے ہوا تھا جو رسول اللہؐ نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ کی تھی۔ بعد میں بعض صحابہؓ کے خواب کے ذریعے اذان مقرر ہوئی۔ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اہم امور میں مشاورت کرنا شرعی طریقہ ہے۔

غزوہ بدر کے بارے میں مشاورت

انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اپنی رائے دی مگر آپؐ انصار کی رائے حاصل کرنے کے لئے خاموش رہے۔ انصار کے سردار سعد بن عبادہ انصاریؓ نے اٹھ کر عرض کیا: اگر آپ حکم دیں تو ہم برک الغماد (یمن) تک گھوڑے دوڑانے کے لئے بھی تیار ہیں۔ اس کے بعد روانگی کا حکم ہوا اور فوج مقام بدر پر مورچہ زن ہوگئی۔

میدان جنگ کا انتخاب اور شوریٰ

غزوہ احد کے موقع پر رسول اللہؐ کی اپنی رائے یہ تھی کہ شہر کے اندر مورچے بنائے

جائیں۔ بعض اکابر صحابہؓ کی رائے بھی یہی تھی۔ مگر نوجوانوں کی رائے یہ تھی کہ باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے اپنی رائے پر عمل کرنے کی بجائے ان کی رائے پر فیصلہ کیا اور کوہ احد کے دامن میں جنگ کا محاذ قائم کیا۔

طریقِ جہاد پر اجلاس

غزوہ خندق (احزاب) کے موقع پر شوریٰ طلب کی گئی کہ باہر جا کر محاذ قائم کیا جائے یا شہر کے اندر مورچے بنائے جائیں۔ سلمان فارسیؓ نے خندقیں کھودنے کا مشورہ دیا آپؐ اور مسلمانوں کو یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ اس پر عمل کرنے کا حکم صادر فرمایا گیا۔

کفار سے معاہدے کے بارے میں مشورہ

غزوہ خندق کے موقع پر جب محاصرہ سخت ہو گیا تو رسول اللہ نے بنو غطفان کے لیڈروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کے ساتھ مدینہ منورہ کے باغات کے پھلوں کا ۱/۳ (ثلث) دے کر مصالحت کی بات کی تاکہ یہ دونوں سردار قریش کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔ آپؐ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مصالحت ہو جائے لیکن آخری فیصلہ کرنے سے قبل مشورہ کرنا ضروری سمجھا گیا۔ انصار کے رہنماؤں میں سے سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو ہمیں تسلیم ہے۔ اگر آپؐ حالات کی وجہ سے حکم دینا چاہتے ہیں تو پھر بھی ہمیں تسلیم ہے۔ لیکن اگر حکم نہیں ہے تو پھر ہم اس مصالحت کے لئے تیار نہیں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا اگر یہ اللہ کا حکم ہوتا تو میں آپ سے مشورہ نہ کرتا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنے خیال پر شوریٰ کی رائے کو ترجیح دی اور مصالحت کی بات ختم کر دی۔

سفر کو جاری رکھنے یا پلٹنے کے بارے میں مشاورت

حدیبیہ کے سفر میں رسول اللہؐ جب غدیر الاشطاط کے مقام پر پہنچے تو مسلمانوں کے مخبر نے آ کر اطلاع دی کہ قریش مکہ نے اپنے حلیف قبائل کو جمع کر لیا ہے جو آپ کو بیت اللہ سے روکنا چاہتے ہیں۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ اب کیا اقدام کیا جائے۔ کیا یہ مناسب ہے کہ قریش کے ان دوستوں (احابیش) کے گھروں پر حملہ کیا جائے۔ ابو بکرؓ نے رائے دی کہ آپؐ کعبہ کی زیارت کی غرض سے آئے ہیں ۔پس آپ اسی غرض کے لئے آگے بڑھئے جو بھی ہمیں روکے گا ہم اس سے لڑیں گے لیکن بعد میں معاہدہ صلح حدیبیہ طے پا گیا۔

بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہؐ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا اور فرمایا ان قیدیوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ابو بکرؓ نے عرض کیا، فدیہ لے کر چھوڑ دیئے جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا، میری رائے تو یہ ہے کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں اس لئے کہ کفر کے امام اور دشمن قوم کے سردار ہیں۔ رسول اللہؐ نے ابو بکرؓ کی رائے کے مطابق فدیہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

ابن کثیر نے مسند احمد سے یہ حدیث تفصیل کے ساتھ نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں۔

ناس یاخذ بقول ابی بکر وناس یاخذ بقول عمر

کچھ لوگوں نے ابو بکرؓ کی تائید کی اور کچھ لوگوں نے عمرؓ کی تائید کی۔

لیکن بعد میں عمر فاروقؓ کی تائید میں آیت نازل ہوئی تھی۔

جنگی قیدیوں کے بارے میں مشورہ

غزوہ حنین میں بنو ہوازن کے ۶ ہزار قیدی اور بہت سارا مال ہاتھ آیا۔ رسول اللہؐ نے جعرانہ کے مقام پر کچھ دیر انتظار کیا اس خیال سے کہ اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو ان کا مال اور قیدی دونوں واپس کر دیئے جائیں۔ لیکن انہوں نے آنے میں دیر کی۔ تو مال غنیمت تقسیم کر دیا گیا۔ بعد میں جب یہ لوگ پشیمان ہو کر آئے تو آپؐ نے شوریٰ عام بلائی اور کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ ان کے قیدی رہا کر دیئے جائیں تم میں سے جو بطیب خاطر اپنا قیدی آزاد کرنا چاہے تو بہتر ہوگا ورنہ ہم اسے معاوضہ دے کر آزاد کرا لیں گے۔ لیکن لوگوں نے کہا ہم بخوشی سے آزاد کرتے ہیں۔ کچھ نے انکار کیا۔ صورتحال واضح نہ ہو سکی تو آپؐ نے فرمایا تم واپس جا کر اپنے نمائندوں (عرفاء) کو اپنی رائے دو۔ نمائندوں نے آ کر کہا کہ سب کے سب راضی ہیں۔ تب رسول اللہؐ نے تمام قیدی رہا کر دیئے۔ (الرحیق المختوم)

گورنر کی تقرری کے لئے مشاورت

معاذ بن جبل کو یمن کا گورنر بناتے وقت شوریٰ بلائی گئی تھی۔ ارکان شوریٰ نے اپنی اپنی رائے پیش کی اور کافی غور و خوض کے بعد معاذ بن جبل کی تقرری کا اعلان ہوا (کنز العمال)

خلفائے راشدینؓ کی مجالس شوریٰ

خلیفہ اول کا پہلا اقدام

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کی وفات کے بعد عرب قبائل مرتد ہونے لگے۔ کچھ قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر لشکر اسامہؓ کی روانگی کا مسئلہ بھی تھا

جس کو خود نبی اکرمؐ نے اپنی حیات مبارکہ میں روانہ کیا تھا۔ اس صورتحال کے پیش نظر حضرت ابوبکرؓ نے پہلے جیش اسامہ کی روانگی کے متعلق مشورہ کیا تو ان نازک حالات میں شوریٰ فوری طور پر لشکر کی روانگی کے خلاف تھی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جس لشکر کو آقائے کائنات روانگی کا حکم دے چکے ہیں، دنیا کی کوئی طاقت اس کو واپس نہیں کر سکتی۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِیْ بَکْرٍ بِیَدِہٖ لَوْ ظَنَنْتُ اَنَّ السِّبَاعَ تَخْطَفُنِیْ لَاَنْفَذْتُ بَعَثَ اُسَامَۃَ کَمَا اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ لَا یَبْقَ فِی الْقُرٰی غَیْرُہٗ لَاَنْفَذْتُہٗ۔ (طبری، ج ۲، ص ۵۲۲)

اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھوں میں ابوبکر کی جان ہے۔ اگر مجھے یہ یقین ہو کہ وحشی جانور مجھے نوچ لیں گے۔ اگر ان آبادیوں میں میرے سوا کوئی بھی شخص باقی نہ رہے تو بھی میں یہ لشکر ضرور روانہ کروں گا کیونکہ نبی اکرمؐ نے اس کو روانگی کا حکم دیا ہے۔

مانعین زکوٰۃ اور حکومت کا فیصلہ

اب مانعین زکوٰۃ کے متعلق حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور فرمایا۔

آپ کو معلوم ہے کہ بعض عربوں نے زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی ہے اور دین سے مرتد ہو گئے ہیں اور عجم نے تمہارے خلاف منصوبہ بنایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان جس نبی کی وجہ سے ہمیشہ فتح یاب ہوتے تھے وہ تو گزر چکا۔ اب موقع ہے کہ مسلمانوں کو مٹا دیا جائے۔ آپؓ مجھے مشورہ دیں کہ اس صورت حال میں کیا کرنا چاہئے کیونکہ میں بھی تم میں سے ایک شخص ہوں البتہ تمہاری نسبت مجھ پر بوجھ زیادہ ہے۔

اس خطاب سے مجمع پر سکتہ طاری ہوا۔ لمبی خاموشی کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا۔ اے خلیفہ رسول! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس وقت عرب سے نماز ادا کرنے ہی کو غنیمت

سمجھیں اور زکوٰۃ چھوڑنے پر گرفت نہ فرمائیں۔ یہ لوگ ابھی ابھی اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ یہ تمام اسلامی فرائض واحکام کو تسلیم کر کے سچے مسلمان بن جائیں گے اللہ تعالیٰ اسلام کو مزید قوت دے گا۔ تو ہم ان کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں گے لیکن اس وقت تو مہاجرین وانصار میں تمام عرب وعجم کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

حضرت عمر کی رائے سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے بھی حضرت عمرؓ کی تائید کی۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی اس کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام انصار ومہاجرین اسی رائے کی تائید میں یک زبان ہو گئے۔

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ منبر پر چڑھے اور فرمایا۔

وَاللّٰهِ لَا اَبْرَحُ اَقُوْمُ بِاَمْرِاللّٰهِ وَاُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْجِزَاللّٰهُ تَعَالٰی وَیفِی لَنَا عَهْدَهُ۔

اللہ کی قسم میں اس موقف پر ڈٹ جاؤں گا اور خدا کی راہ میں جہاد کرتا رہوں گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا نہ فرمادے۔

چاہے میرے مقابلے میں شجر وحجر اور جن وانس کیوں نہ جمع ہو جائیں۔ اسی موقع پر انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم کفر میں بڑے تند وتیز اور بہادر تھے۔ کیا اسلام میں آکر بزدل ہو گئے ہو؟ میں ضرور جہاد کروں گا ان لوگوں کے خلاف جو نماز ادا کرتے ہیں مگر زکوٰۃ دینے سے انکاری ہیں۔

دور فاروقیؓ میں کمانڈر، مفتوحہ علاقوں اور طاعون کے بارے میں مشاورت

عراق میں پیش قدمی کے سلسلے میں پاک فوج کی کمان کے بارے میں مسئلہ پیش آیا۔ خلیفہ ثانی فاروق اعظمؓ کا خیال تھا کہ اس فوج کی کمان مجھے خود کرنی چاہئے لیکن حضرت

عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور دوسرے جلیل القدر صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ آپؓ مدینہ طیبہ میں رہ کر ہدایات جاری فرماتے رہیں۔ خدانخواستہ اگر فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی یا آپؓ کو کچھ ہو گیا تو پھر اس نقصان کی تلافی مشکل ہو جائے گی۔ اس صورتحال کی وضاحت کرتے ہوئے امیر المومنین نے فرمایا کہ میں تو عراق جانے کے لئے ہی مدینہ سے نکلا تھا مگر اصحابؓ رسول کی رائے اس کے برعکس ہے۔ اب بتایا جائے کہ اس فوج کی کمان کس کے سپرد کی جائے؟ لوگوں کی اکثریت نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا نام پیش کیا کیونکہ ابو عبیدہؓ اور حضرت خالدؓ شام کے محاذ پر برسر پیکار تھے۔

مفتوحہ علاقے

حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ اول اور نبی کریمؐ کی سنت مبارکہ کی اتباع کرتے ہوئے ہر معاملہ میں اہل الرائے سے مشورہ لیتے، یہاں تک کہ مفتوحہ علاقوں کے لئے بھی انہوں نے کئی دن تک مجلس مشاورت کے اجلاس منعقد کئے۔ حضرت بلالؓ، عبدالرحمٰن بن عوف اور کئی صحابہؓ کی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم ہونی چاہئیں۔ حضرت عمرؓ اور ان کے ہم خیال حضرات کی رائے یہ تھی کہ زمینیں حکومت کی ملکیت ہونی چاہئیں تاکہ آنے والے حضرات بھی اس سے مستفید ہوتے رہیں۔ اس ضمن میں دونوں طرف سے کوئی شرعی دلیل نہ تھی۔

بالآخر حضرت عمر فاروقؓ نے قرآن پاک کی ان آیات سے استدلال فرمایا۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَرَأَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ حَتّٰى بَلَغَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ. وَاعْلَمُوْا إِنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَإِنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ. وَالَّذِيْنَ جَآءَ وْمِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ قَالَ هٰذِهِ

اسْتَوْعَبْتُ الْمُسْلِمِيْن عَامَّةً فَلَئِنْ عِشْتَ فَلَيَاتِيَنَّ الرَّاعِي وَهُوَ بِسَرِ وِحَمِيْرٍ نَصِيْبُهُ مِنْهَا لَمْ يَعْرِقْ فِيْهَا جَبِيْنُهُ۔

طاعون اور مجلس شوریٰ

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ إِلَى الشَّامِ حَتّٰى إِذَا كَانَ بِسَرْغَ لَقِيَهُ ،اَهْلُ الْاَجْنَادِ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ وَاَصْحَابُهُ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ ،فَاَخْبَرُوْهُ اَنَّ الْوَبَآءَ قَدْ وَقَعَ بِالشَّامِ قَالَ اِبْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ عُمَرُ اُدْعُ لِيَ الْمُهَاجِرِيْنَ الْاَوَّلِيْنَ فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ وَاَخْبَرَهُمْ اَنَّ الْوَبَآءَ وَقَعَ بِالشَّامِ فَاخْتَلَفُوْا— فَقَالَ بَعْضُهُمْ : قَدْ خَرَجْتَ لِاَمْرٍ وَلَا نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ عَنْهُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ مَعَكَ بَقِيَّةُ النَّاسِ وَاَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَرٰى اَنْ تُقْدِمَهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَآءِ قَالَ اِرْتَفِعُوْا عَنِّيْ—

ثُمَّ قَالَ : اُدْعُ لِيَ الْاَنْصَارَ— فَدَعَوْتُهُمْ فَاسْتَشَارَهُمْ فَسَلَكُوْا سَبِيْلَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاخْتَلَفُوْا كَاخْتِلَافِهِمْ فَقَالَ اِرْتَفِعُوْا عَنِّيْ۔

ثُمَّ قَالَ اُدْعُ لِيْ مَنْ كَانَ هٰهُنَا مِنْ مَشْيَخَةِ قُرَيْشٍ مِنْ مُهَاجِرَةِ الْفَتْحِ— فَدَعَوْتُهُمْ فَلَمْ يَخْتَلِفْ عَلَيْهِ رَجُلَانِ —فَقَالُوْا : نَرٰى اَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ تُقْدِمُهُمْ عَلٰى هٰذَا الْوَبَآءِ۔

قَالَ فَنَادٰى عُمَرُ فِي النَّاسِ إِنِّيْ مُصَبِّحٌ عَلٰى ظَهْرٍ فَاَصْبِحُوْا عَلَيْهِ فَقَالَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ : اَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ؟

فَقَالَ عُمَرُ : لَوْغَيْرُكَ قَالَهَا يَا اَبَا عُبَيْدَةَ وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُ خِلَافَهُ نَعَمْ

نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ إِلَى قَدَرِ اللّٰهِ — أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَتْ لَكَ إِبِلٌ فَهَبَطَتْ وَادِيًا لَهُ عدوتان أَحَدُهُمَا خَصِيبَةٌ وَالْأُخْرَى جَدْبَةٌ أَلَيْسَ إِنْ رَعَيْتَ الْخَصِيبَةَ رَعَيْتَهَا لِقَدَرِ اللّٰهِ؟ وَإِنْ رَعَيْتَ الْجَدِبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللّٰهِ؟ قَالَ جَاءَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ كَانَ مُتَغَيِّبًا فِي بَعْضِ حَاجَتِهِ فَقَالَ إِنَّ مِنْ عِنْدِي عِلْمًا سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدِمُوْ عَلَيْهِ ، وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا مِنْهُ فِرَارًا۔

قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ثُمَّ انْصَرَفَ۔ (صحیح مسلم ،کتاب السلام،باب الطاعون)

عبداللہ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شام کے دورے کے لئے نکلے جب آپ سرغ کے مقام پر پہنچے تو وہاں شام کے گورنر ابوعبیدہ بن جراح اور دوسرے اعلیٰ حکام نے آپؓ کا استقبال کیا۔ اور وہاں کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ شام میں طاعون کا مرض پھیلا ہوا ہے۔ اب مسئلہ پیدا ہوا کہ آگے جانا چاہئے یا واپس پلٹ جائیں۔ عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھے امیر المؤمنین نے حکم دیا کہ مجاہدین اولین کو بلاؤ۔ جب وہ آئے تو ان سے اس صورتحال پر مشورہ طلب کیا گیا۔ ان کی آراء میں اختلاف تھا۔ کچھ نے کہا کہ آپؓ دینی کام کے لئے نکلے ہیں۔ آپکو واپس نہیں جانا چاہئے جبکہ دوسرے اصحابؓ کہتے تھے آپؓ کے ساتھ بہت سے اصحاب رسولؐ ہیں ،خواہ مخواہ موت کو دعوت دینے کی بجائے آپؓ واپس تشریف لے جائیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انصارؓ کو بلایا جائے۔ انہوں نے بھی مہاجرین

کی طرح مختلف تجاویز پیش کیں۔ فاروق اعظمؓ نے فرمایا کہ آپؓ یہاں سے چلے جائیں۔ پھر حکم دیا قریش کے ان سرداروں کو بلایا جائے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ میں ان کو بلا لایا۔ یہ سب بالاتفاق کہنے لگے کہ آپؓ کو آگے جانے کی بجائے واپس پلٹ جانا چاہئے۔ تب امیر المؤمنینؓ نے اعلان فرمایا کہ ہم صبح مدینہ واپس جا رہے ہیں، یہ سنتے ہی ابو عبیدہ بن جراحؓ آگے بڑھ کر کہنے لگے کہ آپؓ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں۔ حضرت عمر فرمانے لگے کاش یہ بات ابو عبیدہ کے سوا کوئی اور کہتا کیونکہ یہ بات ابو عبیدہؓ کی دانشمندی کے خلاف تھی۔ آپؓ نے جواب دیا کہ ہاں میں اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جا رہا ہوں۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو کسی مصروفیت کی وجہ سے غیر حاضر تھے اچانک تشریف لے آئے اور کہنے لگے۔ ایسی صورتحال کے بارے میں نبی اکرم کا فیصلہ کن ارشاد موجود ہے۔ میں نے نبی محترمؐ سے سنا ہے کہ جب کسی علاقے میں طاعون پھیلا ہوا ہو تو وہاں سے بھاگنا نہیں چاہئے۔ یہ سن کر امیر المومنین نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مدینہ واپس تشریف لے گئے۔

فیصلہ کا طریقہ کار اور فاذا عزمت کا مفہوم

آدمی جب اپنے ذہن میں ایک بات بٹھا اور جما لیتا ہے تو ہر بات کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھتا اور پرکھتا ہے۔ یہی حالت ان دوستوں کی ہے جو علمی دنیا میں تنہا پرواز کے قائل اور انتہا پسندی کی روش کو اختیار کئے رہتے ہیں۔ پہلے تو ہر اجتماعی معاملے میں ان کی سر توڑ کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح سے ثابت کیا جائے کہ اکثریت کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ انہیں اس لفظ سے اس حد تک چڑ ہوتی ہے کہ وہ اہل حق کی اکثریت کو بدنام زمانہ جمہوریت سے مماثل قرار دے کر حقائق کو رد کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں اور

یہ کہہ کر جذباتی لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم کوئی کسی کے مقلد ہیں ۔جبکہ قرآن وسنت کے بعد خاص کر تنظیمی اور فلاحی معاملات میں تو اجتماعیت کو قابل قدر حیثیت دینا ضروری ہے۔کیونکہ اجتماعی زندگی کا نظام چلانے کے لئے یہ آخری اصول ہے۔اس کے بعد تو امت کے متحد رکھنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ان کی انتہا پسند طبیعت یہاں تک زور آور ہو چکی ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے بھی ذرا تامل نہیں کرتے کہ امیر کو شوریٰ کا پابند نہیں ہونا چاہئے۔ان کا فرمان ہے کہ امیر مشورہ کرنے کا تو پابند ہے لیکن مشورہ ماننے سے آزاد ہے۔وہ صرف لوگوں کی دلجوئی کی خاطر پیش آمدہ مسئلہ میں شوریٰ کی تجاویز سے فائدہ اٹھانا چاہے تو اس کی ذرہ نوازی ہے ورنہ دنیا کا کوئی اصول امیر کو پابند نہیں کر سکتا۔پھر ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس طرح تو امیر مامور اور ربڑ کی مہر بن جاتا ہے۔بقول ان کے قرآن پاک نے فاذا عزمت کے الفاظ استعمال کر کے امیر کو اجتماعی معاملات میں مختار کل بنا دیا ہے۔کاش یہ حضرات طبیعت کے بے لگام گھوڑے کو قابو میں رکھتے ہوئے اس بات پر غور کرتے کہ ارکان شوریٰ مشورہ دینے کے لئے تشریف لائے ہیں نہ کہ مشورہ لینے کے لئے۔مشورہ تو صاحب امر کو لینے کا حکم ہو رہا ہے۔لہذا یہاں صیغہ بھی واحد حاضر کا استعمال کیا جا رہا ہے۔اگر اراکین شوریٰ کو ایک دوسرے سے مشورہ لینے کے لئے اکٹھا کیا جاتا تو پھر

شَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ کی بجائے یہ ہونا چاہئے تھا تَشَاوِرُوْا فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتُمْ فَتَوَكَّلُوْا عَلَى اللّٰهِ ،یَتَشَاوَرُوْنَ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمُوْا.

اس لئے صحیح نقطہ نگاہ یہ ہے کہ عزم کا معنی وہ نہیں جو بعض علماء نے سمجھا ہے۔ایسے ہی

آزاد علمی استدلال کی وجہ سے مسلمانوں کے کئی حکمران آمر، ڈکٹیٹر، ظالم اور سفاک ثابت ہوئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ خدا کے علاوہ ہم سے پوچھنے کا کسی کو اختیار نہیں اور نہ ہی ہم کسی کے پابند ہیں ۔ایسے ہی اسباب تھے کہ وقت کے سب سے بڑے محدث حضرت الامام مالک بن انسؒ جنہوں نے کئی سال روضۃ من ریاض الجنۃ کے مقدس مقام اور مصلیٰ رسولؐ پر بیٹھ کر حدیث رسول کا درس دیا تھا۔ جن کے شاگردوں میں یکے بعد دیگرے سات سربراہ مملکت، تمام صوبوں کے قاضی ہی نہیں، بلکہ چیف جسٹس اور اپنے اپنے مسند انصاف پر جلوہ گر ہوئے ۔ پھر امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ ابو یوسفؒ اور بھی علم وفضل کی دنیا کے آفتاب ومہتاب ان کی مجلس کے خوشہ چین تھے ۔ لیکن جب حضرت امامؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ جبراً طلاق نہیں ہوتی تو اس حق گوئی کی پاداش میں حضرت الامامؒ کو گدھے پر بٹھا کر مدینے کی گلی کوچوں میں پھرایا گیا اور کسی میں ہمت نہ تھی جو وقت کے حکمران کو روک اور ٹوک سکے۔ اگر یہ حکمران دنیا میں کسی اتھارٹی (شوریٰ) کے پابند ہوتے تو امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام احمد بن حنبلؒ حتیٰ کہ امام بخاریؒ اور امام ابن تیمیہؒ کے ساتھ یہ توہین آمیز سلوک نہ ہوتا اور ان پر اتنے وحشیانہ مظالم نہ کئے جاتے۔ یہ سب کچھ اس وقت ہی ہوا جب حکمرانوں کے دلوں سے آخرت کی جوابدہی کا تصور اور دنیا میں جواب طلبی کا خوف اٹھ گیا تھا۔ پھر اس ظلم میں قیامت خیز اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ ان کو دین کے نام پر کھلی چھٹی دے دی گئی۔ ان حقائق کے پیش نظر قابل عمل نقطہ نگاہ یہی ہونا چاہئے کہ امیر قرآن وسنت اور واضح شواہد وقرائن اور شوریٰ کی اکثریت کا پابند ہے۔ اس طرز عمل میں نہ صرف ملک وملت کی بہتری ہے بلکہ امیر کے لئے بھی عافیت کا راستہ پایا جاتا ہے اور قرآن وسنت اور

صحابہ کا عمل بھی اس بات کی مکمل رہنمائی کر رہا ہے۔ آئیں اب نفاذ عزمت کا معنی نبی اکرمؐ کی ذات گرامی اور صحابہ کرامؓ کے طرز حیات سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْمِ فَقَالَ مُشَاوَرَةُ اَهْلِ الرَّأْيِ ثُمَّ اَتِّبَاعُهُمْ۔(ابن کثیر)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ سے عزم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے عزم کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عزم کے معنی ہیں کہ اہل رائے سے مشورہ لینا اور پھر اس کا اتباع کرنا۔ حضرت علیؓ ہی سے اس بات کی صراحت موجود ہے کہ انہوں نے نبی محترمؐ سے یہ بھی پوچھ لیا تھا کہ اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا معاملہ آجائے جس میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی پوری وضاحت موجود نہ ہو تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! اِنْ نَزَلَ بِنَا اَمْرٌ لَيْسَ فِيْهِ بَيَانُ اَمْرٍ وَنَهْيٍ فَمَا تَامُرُ لِي؟ قَالَ شَاوِرُوْا فِيْهِ الْفُقَهَاءَ وَالْعَابِدِيْنَ لَوْ لَا تَمْضُوْا فِيْهِ رَأْيُ خَاصَتِهِ رَوَاهُ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْاَوْسَطِ وَرِجَالُهُ مُؤْثِقُوْنَ مِنْ اَهْلِ الصَّحِيْحِ۔(ابن کثیر)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہمارے سامنے ایسا معاملہ آجائے کہ امر و نہی کی وضاحت نہ ہو تو آپؐ ہمیں اس معاملے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں دانش ور اور نیک لوگوں سے مشورہ کرو اور اس میں خصوصی و انفرادی رائے نافذ نہ کرو۔

ان فرمودات اور اس آیت کی روشنی میں امام ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں۔

وَغَيْرُ جَائِزٍ اَنْ يَكُوْنَ الْاَمْرُ بِالْمَشَاوَرَةِ عَلٰى جِهَةِ تَطِيْبِ نُفُوْسِهِمْ وَرَفْعِ اَقْدَارِهِمْ وَلِتَقْدِي الْاُمَّةُ بِهٖ فِي مِثْلِهٖ لِاَنَّهٗ لَوْ كَانَ مَعْلُوْمًا عِنْدَهُمْ اِنَّهُمْ اِذَا اسْتَفْرَغُوْا مَجْهُوْدَهُمْ فِيْ اِسْتِنْبَاطِ مَاشُوْرِ وَافِيَةٌ وَصَوَابُ الَّذِيْ فِيْمَا سُئِلُوْا عَنْهُ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ ذَالِكَ مَعْمُوْلًا عَلَيْهِ وَلَا مُلْتَقِي مِنْهُ بِالْقَبُوْلِ بِوَجْهٍ لَمْ يَكُنْ فِي ذٰلِكَ تَطِيْبُ نُفُوْسِهِمْ وَلَا رَفْعَ لِاَقْدَارِهِمْ بَلْ فِيْهِ اِيْحَاشُهُمْ وَاَعْلَامُهُمْ بِاَنَّ آرَاءَ هُمْ غَيْرَ مَقْبُوْلَةٍ وَلَا مَعْمُوْلَ عَلَيْهَا فَهٰذَا تَاوِيْلٌ سَاقِطٌ مَعْنٰى لَهٗ۔(احکام القرآن)

نبی اکرم کو مشورہ لینے کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ صرف صحابہؓ کی دلجوئی اور عزت افزائی کے لئے نہیں تھا۔ اگر صحابہ کرامؓ کو یہ معلوم ہوتا کہ کسی خاص معاملے میں مشورہ طلب کیا جا رہا ہے اور وہ مکمل غور وخوض کے ساتھ پیش آمدہ مسئلے میں ٹھیک ٹھیک مشورہ اور رائے کا اظہار کریں گے تو بھی اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس طرح تو ان کی دلجوئی اور عزت افزائی کی صورت نہیں نکلتی بلکہ اس انداز سے تو ان کی حوصلہ شکنی ہو گی۔

نبی اکرمؐ نے غزوہ احد کے موقع پر مشورہ لیتے ہوئے نہ صرف اپنی رائے مبارکہ کا اظہار فرمایا کہ ہمیں مدینہ میں رہ کر لڑنا چاہئے بلکہ اس کے ساتھ آپؐ نے اپنا خواب اور اس کی تعبیر بھی بیان فرما دی تھی۔ چونکہ صریح اور واضح حکم نہیں تھا اس لئے مذکورہ بالا مسئلے میں مشاورت فرمائی۔

فَشَاوَرَهُمْ فِي اُحُدٍ فِي اَنْ يَقْعُدَ فِي الْمَدِيْنَةِ اَوْ يَخْرُجَ اِلَى الْعَدُوِّ فَاَشَارَ جُمْهُوْرُهُمْ بِالْخُرُوْجِ اِلَيْهِمْ فَخَرَجَ اِلَيْهِمْ –(پ ۴ ابن کثیر)

غزوہ احد کے موقع پر آپ نے لوگوں سے مشورہ لیا۔ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے یا

باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔لوگوں کی اکثریت نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا۔لہٰذا آپؐ نکلے اور مقام احد پر تشریف لے گئے۔حالانکہ آپؐ نے اپنا خواب اور اس کی تعبیر بھی بیان کردی تھی۔

وکان ذکر لهم قبل ان یلبس الاداة ان رایت انی فی درع حصینة فاولتها المدینة وهذا سند حسن واخرج احمد والدارمی والنسائی من طریق حماد بن سلمة عن ابی الزبیر عن جابر نحوه وتقدمت الاشارة الیه فی کتاب التعبیر وسنده صحیح لفظ احمد ان النبی صلی الله علیه وسلم قال رائیت کانی فی درع حصینة ورایت بقرا تنحر فاولت الدرع الحصینة المدینة۔

آپؐ نے ہتھیار پہننے سے پہلے ہی صحابہؓ کو بتلا دیا تھا کہ میں خواب میں اپنے آپ کو مضبوط زرہ پہنے ہوئے دیکھتا ہوں۔اس کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ میں ٹھہرا جائے۔اس روایت کی سند اور اسکی تائید مسند احمد،دارمی اور نسائی نے اپنے الفاظ میں کی ہے۔مسند کے الفاظ یہ ہیں۔آپ اس خواب میں مضبوط زرہ پہنے اور ایک گائے کو ذبح ہوتے دیکھ رہے ہیں۔
گو اکثریت کے مشورے پر عمل کرنے سے ایسا مالی نقصان اٹھانا پڑا جس کی مثال کسی دوسرے غزوہ میں نہیں ملتی لیکن اس کے باوجود آپ نے زندگی بھر اشارۃً بھی صحابہؓ کو مطعون نہیں کیا۔اتنے بھاری نقصان کے باوجود پھر بھی قرآن پاک نے یہی حکم دیا کہ آپؐ کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ ضرور کرنا چاہیے۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۝ (پ ٤،العمران ١٥٩)

ان کے قصور معاف کر دو۔ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو،اور دین کے کام میں ان کو شریک مشورہ رکھو۔پھر جب تمھارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو،اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔

اگر غزوہ احد کے بعد قرآن کا یہ حکم نازل نہ ہوتا تو آج کل کے کئی دانشور زندگی بھر جمہور اور اکثریت کو کوستے رہتے جب کہ ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنی انا اور ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور بدنام زمانہ جمہوریت کے عیوب اور نقائص گنوا کر مسلمانوں میں سے شورائیت کی روح کو نکالنے اور اہل حق کی اکثریت کو ٹھکرانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے۔ایک طرف تو وہ اہل حق اور دانشوروں کی رائے کو اس لئے مسترد کرتے ہیں کہ اگر شوریٰ کی اکثریت کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو بقول ان کے امیر کھلونا بن جائے گا۔دوسری طرف اہل حق کی اکثریت،خلفائے راشدین کا طرز حیات اور نبی اکرمؐ کا اسوہ مبارکہ ان کی نگاہوں کو تسکین دیتا۔وہ صرف اس مفروضے کی آڑ میں شوریٰ کو کھلونا اور بازیچہء اطفال بنانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ان حضرات کے اس طرز عمل کی وجہ سے اہل علم اور دانشوروں کی غالب اکثریت انہیں چھوڑ جائے تو پھر بھی بزعم خود وہ اپنے آپ کو کسی گروپ کا امیر تصور کئے رکھتے ہیں۔اپنی مسند کے تحفظ کے لئے جز کو کل اور ایک مسئلے کو پوری شریعت کا جامہ پہنا کر ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے رکھتے ہیں۔

اگر تعصب کی عینک اتار کر اور جذبات کے پردے ہٹا کر نبی اکرمؐ اور خلفائے راشدینؓ کے دور مبارک میں ہونے والی مجالس شوریٰ کے فیصلوں پر غور کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ حقیقت چمکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے لشکر اسامہؓ کی

روانگی کا فیصلہ کرتے ہوئے اگر اکثریت کی رائے کو مسترد کیا تو اس کے پیچھے نص قطعی یعنی نبی اکرمؐ کا حکم موجود تھا۔ مانعین زکوٰۃ کے بارے میں بھی قرآن پاک کی نص قطعی موجود تھی جو حالات کی بحرانی کیفیت کی وجہ سے صحابہؓ کے ذہن سے اوجھل ہو چکی تھی۔ جب خلیفہ وقت نے توجہ دلائی تو صحابہؓ کے دل و دماغ روشن ہو گئے۔ اس واضح دلیل کی وجہ سے اکثریت کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ فاروق اعظمؓ کے دور میں ہونے والے فیصلوں کو دوبارہ پڑھئے۔ عراق کی زمینوں کے مسئلے پر انہوں نے قرآن پاک کی آیات کا حوالہ دیا۔ طاعون کی وجہ سے دورہ شام کو ملتوی کرنے کے لئے ابن عوفؓ نے ارشاد نبوی بیان کیا۔ فکری سلامتی اور صراط مستقیم یہی ہے جس کی وجہ سے قرآن وسنت ٹھوس ثبوت اور واضح قرائن نہ ہونے کی صورت میں نبی اکرمؐ خلفائے راشدین اور امت کے تمام علماء اور زعماء اہل حق کی اکثریت کا احترام کرتے آئے ہیں اور کرنا چاہئے۔ کیونکہ امت کو متحد رکھنے کا یہی وہ آخری اصول ہے۔

اختلافات کی وجہ سے مسلمان آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ جن علاقوں پر انہوں نے صدیوں تک اسلام کا پھریرا بلند کئے رکھا تھا وہاں محض باہمی اختلافات کی وجہ سے آگے بڑھنے والے قدم پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔ انہیں وجوہات کے سبب ہسپانیہ ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اسی وجہ سے بصرہ و بغداد کی لائبریریاں خاکستر ہوئیں جن کی راکھ سے دجلہ کا پانی کالا ہو گیا اور پھر دشمن نے مسلمانوں کا اس طرح قتل عام کیا کہ کئی روز تک دجلہ وفرات کے پانی پر خون مسلم دکھائی دیتا رہا۔ اس لئے پنڈت نہرو نے اپنے دور حکومت میں ایک کمیشن بھیجا تھا کہ وہ ہسپانیہ کے حالات معلوم کر کے رپورٹ پیش کرے کہ مسلمانوں کو وہاں

سے کس طرح نکالا گیا تھا۔کمیشن نے آ کر رپورٹ دی کہ مسلمانوں کو ذلیل وخوار کرنے کے لئے صرف اور صرف ایک ہی حربہ ہے کہ ان کی صفوں میں اختلافات پیدا کیے جائیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہوا اور ڈھاکہ کی بیٹیاں دلی کے بازاروں میں رسوا کی گئیں۔اختلاف وہ لعنت ہے جس سے خاندان تباہ، قومیں برباد اور جماعتیں ختم ہو جاتی ہیں۔اگر کسی جماعت میں جگہ جگہ اختلافات ہوں اور اس کی ہر مسجد اور ادارے میں لڑائی جھگڑے کی بھر مار ہو تو اس کا مسلک تو اپنی سچائی کی وجہ سے قائم رہے گا مگر وہ جماعت کسی مرتبے اور مقام کی حامل نہیں ہو سکتی۔یہ وہ آگ ہے جس میں ایمان اور اخلاقی قدریں بھسم ہو جاتی ہیں۔

اختلافات کی بھرمار اور اس کے نقصانات

اسلام اختلاف رائے کا حق دیتا ہے مگر اختلافات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کیونکہ اسطرح مضبوط اور بڑی جماعت کی بھی ساکھ اکھڑ جاتی ہے۔ساکھ اور وقار ہی تو وہ چیز ہے جس سے فرد اور جماعت کا وجود اور اقبال قائم رہتا ہے۔اگر وقار مٹ جائے اور اقبال ضائع ہو جائے تو ایسا وجود بے سود ہو جایا کرتا ہے۔گویا کہ اب زندہ لاش ہے جس کا کچھ فائدہ نہیں۔اس حقیقت کو جاننے کے لئے پلٹ کر ماضی کے دریچوں میں جھانک کر دیکھئے۔نبی اکرمؐ کی بعثت سے قبل عربوں میں تمام اوصاف موجود تھے جو ایک زندہ قوم میں ہونے چاہئیں۔سخاوت اتنی کہ وہ حج کے موقع پر اپنے گھر حجاج کے لئے وقف کر دیتے،زبان دانی پر اس قدر ناز کہ غیر عربی کو اپنے مقابلے میں بے زبان اور گونگا تصور کرتے تھے۔یادداشت اتنی کہ ہزاروں اشعار اور قصیدے ان کی نوک زباں پر ہوتے۔حافظے کا یہ حال کہ خاندان کا شجرہ نسب ہی نہیں،گھوڑوں کی کئی کئی

نسلیں اور پشتیں ان کو یاد رہتیں۔ غیرت تو عربوں کا طرہ امتیاز تھا۔ اسی بنا پر جب وہ کسی کے مخالف ہو جاتے تو کئی سال تک لڑائی میں اپنا مال و جان جھونکتے چلے جاتے مرنے والا اپنی اولاد کو بدلہ لینے کی وصیت کرتا۔ مائیں دودھ پیتے بچوں کو غیرت کے گیت سنا کر لوریاں دیا کرتیں۔ غرضیکہ ہر اعتبار سے عربوں میں زندہ قوم کی خوبیاں موجود تھیں لیکن ٹھوس نظریہ (ایمان) اور اتحاد و اتفاق نہ ہونے کی وجہ سے تمام اوصاف دب گئے اور پستی کی اتھاہ گہرائیوں میں اوندھے منہ گرتے چلے گئے۔

اختلافات کیوں رونما ہوتے ہیں؟

غلط فہمی اور بدگمانی

انسان میں کچھ ایسی کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ ان کمزریوں میں کم حوصلگی اور جلد بازی بھی شامل ہیں۔ ان طبعی کمزوریوں کی وجہ سے آدمی معاملات کو سمجھے بغیر اپنی کم ظرفی یا جلد بازی کی وجہ سے پہلے غلط فہمی اور پھر بدگمانیوں اور بدظنیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ بدگمانی بعض اوقات فی الواقع معاملے میں الجھاؤ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ خاص طور پر ایک آدمی جب از خود اس بات کا تصور کرے کہ فلاں معاملے میں دوسرے سے زیادہ حقدار یا سچا ہوں، خصوصاً جب ان بدگمانیوں کے پیچھے حسد اور بغض شامل ہو جائے تو پھر یہ بیماری بڑی پیچیدہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس لئے اسلامی ضابطہ اخلاق میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ آدمی کو بدظنی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ کیونکہ بلاوجہ کسی بھائی خصوصاً قیادت کے بارے میں بدگمان رہنا کسی نیک، دانشور اور اعلیٰ ظرف آدمی کا وطیرہ نہیں ہو سکتا۔ اس لحاظ سے بدگمان رہنے والا آدمی ایک طرف گناہ کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوتا ہے اور دوسری طرف جماعتی زندگی بھی اس کے

لئے بوجھ بن جاتی ہے۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسی مذموم حرکات اور جذبات سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا۔(متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسولؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم دوستوں سے بدگمانی سے بچو، کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔تم کسی کی کمزریوں کی ٹوہ میں نہ رہا کرو اور جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے کسی کے عیب معلوم کرنے کی کوشش بھی نہ کیا کرو اور نہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی بے جا ہوس کرو۔نہ آپس میں حسد کرو، نہ بغض وکینہ رکھو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو بلکہ اللہ کے بندو! اللہ کے حکم کے مطابق بھائی بھائی بن کر رہو۔

بدظنی کے بھیانک انجام سے بچنے کے لئے قرآن پاک نے اسلامی سوسائٹی کی ذمہ داری لگائی ہے کہ جب ان کے پاس کوئی ایسی افواہ آئے تو اسے آگے پھیلانے کی بجائے اس کی تحقیق وتفتیش کرنی چاہیے۔اگر کسی آدمی کے پاس اتنی لیاقت، وسائل یا معلومات نہیں ہیں تو پھر اس کا فرض ہے کہ اس بدگمانی کا شکار ہونے کی بجائے اس معاملے کو جماعت کے ذمہ دار لوگوں کے سامنے پیش کرے تاکہ وہ اس معاملے کی تہ تک پہنچ کر کوئی نتیجہ اخذ کر سکیں۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ۝ (پ۲۶، الحجرات ۶)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر تمہیں اپنے کیے پر پشیمان ہونا پڑے۔

یہ تو منافقوں کا طریقہ ہے کہ بغیر تحقیق کے ہر بات کو اٹھاتے پھرتے ہیں۔

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ○(پ۵،النساء۸۳)

یہ لوگ جہاں کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن لیتے ہیں اسے لے کر پھیلا دیتے ہیں حالانکہ اگر یہ اسے رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جائے جو ان میں سے اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہو تو معدودے چند کے سوا تم شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔

اسی لئے نبی اکرمؐ نے ایسے آدمی کو بھی جھوٹوں میں شمار کیا ہے جو بغیر کسی تحقیق اور تصدیق کے ہر سنی سنائی بات کو لوگوں تک پھیلاتا پھرتا ہے۔ گویا کہ وہ جان بوجھ کر یا بے سمجھے بوجھے جھوٹ کا مبلغ بنا پھرتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ۔ (مسلم مشکوۃ باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنا ہی کافی ہے وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا پھرے۔

غیبت کی ابتداء

ایک آدمی جب بدگمانی کا شکار ہو جاتا ہے تو پھر اس بدگمانی کو زیادہ دیر تک اپنے دل اور سینے میں چھپائے رکھنا اس کے لئے مشکل بن جاتا ہے۔ بالآخر یہ بدگمانی الفاظ کا روپ دھار کر غیبت کی صورت میں اس کی زبان سے جاری ہو جاتی ہے۔ نبی اکرمؐ سے جب پوچھا گیا، اے اللہ کے نبیؐ، کیا یہ بات بھی غیبت کے زمرے میں آتی ہے کہ ہم فی الواقع ایک شخص میں عیب دیکھتے ہیں اور اس کمزوری کا آگے ذکر کرتے ہیں؟ تو رسول کریمؐ فرماتے ہیں یہی تو غیبت ہے۔ اگر متعلقہ شخص میں وہ عیب نہیں ہے تو پھر بیان کرنے والا غیبت ہی نہیں تہمت اور الزام تراشی بھی کر رہا ہے۔ غیبت ایک ایسا برا روگ ہے جس کے اثرات ختم کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ بے شمار ایسے لوگ ہیں جو غیبت کرنے والے کی غیبت سن کر نہ صرف دوسرے سے بغیر کسی وجہ کے بدظن ہو جاتے ہیں بلکہ وہ خود بھی غیبت کے گھناؤنے اور بدترین فعل کے مرتکب ہو جاتے ہیں جبکہ دوسرے شخص کو اس سارے معاملے کی خبر تک نہیں ہوتی اس لئے نبی اکرمؐ نے غیبت کو بے حیائی اور بدکرداری سے بھی زیادہ بدترین فعل قرار دیا ہے چونکہ اس متعلقہ آدمی کو خبر نہیں ہوتی اس وجہ سے وہ بیچارہ اپنی صفائی بھی پیش نہیں کر سکتا اور یوں ہی لوگوں کی نظروں میں حقیر اور نفرتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال کو قرآن پاک نے اس آیت کریمہ میں یوں بیان کیا ہے۔

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (پ۲۶،الحجرات ۱۲)

اے لوگوں جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ تجسس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے۔ دیکھو، تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے

انا ولا غیری

اختلافات کا تیسرا سبب یہ بھی ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان سے اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اس کو زیر کرنے کی مذموم کوشش میں مصروف ہو جائے۔ ایسے لوگ منصب اور وسائل کے حصول یا ان کے حاصل ہونے کے بعد اللہ کی مخلوق کو اپنا بے دام غلام سمجھتے ہیں۔ جوں جوں ایسے لوگوں کے کردار کے اثرات پھیلتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ جماعت اور معاشرہ میں اخلاقی عدم توازن حتیٰ کہ اس سے آگے بڑھ کر اختلافات اور دنگا فساد شروع ہو جاتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ○ (پ ۲۰، القصص ۸۳)

وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ اور انجام کی بھلائی متقین ہی کے لئے ہے۔

عام طور پر ایسے شخص میں دو عادتیں اس کے کردار کا جز و لاینفک بن جاتی ہیں۔ ایک تو وہ شہرت نمود و نمائش اور ناموری کا اس قدر دلدادہ ہوتا ہے کہ جو کام اس نے انجام نہیں دیئے ہوتے اور نہ ہی ان کی تکمیل میں اس کی راہنمائی یا دخل ہوتا ہے اس کے باوجود وہ اسلامی اخلاق سے اس قدر تہی دامن ہو چکا ہوتا ہے کہ دوسرے نے جو کام محنت

ومشقت اور اپنی گرہ سے کئے ہوتے ہیں ان کو بھی اپنے کھاتے میں ڈال کر لوگوں کو یہ باور کرواتا ہے کہ یہ کارنامہ بھی میری وجہ سے ظہور پذیر ہوا ہے۔اس شخص کے بارے میں قرآن پاک نے جہنم کی وعید کا اعلان کیا ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَآ اَتَوا وَّيُحِبُّونَ اَنْ يُّحْمَدُوْ بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ٥

(پ ٤،آل عمران١٨٨)

نہ تو گمان کر ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کردار سے اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کئے ہیں۔پس نہ گمان کرو کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔حقیقت میں ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے

بھیڑیئے سے زیادہ خوفناک شخص

پھر سفلہ مزاج آدمی میں عہدے کی حرص وہوس اس قدر جڑ پکڑ جاتی ہے اس کی وجہ سے جماعت اور ملک ہی ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو جائے ،یہ شخص کسی صورت میں بھی عہدے سے الگ ہونا یا اس کے حصول کی خواہش کو نہیں چھوڑتا۔رسول محترمؐ نے ایسے شخص کو خوفناک بھیڑیئے سے زیادہ خطرناک قرار دیا ہے ،فرمایا دو بھوکے بھیڑیئے بھی بکریوں کو اس قدر چیر پھاڑ نہیں کر سکتے جتنا یہ شخص جماعت اور قوم کا نقصان کرتا ہے۔

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِى غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ۔(ترمذی ،دارمی بحواله مشكوة كتاب الرقاق)

کعب بن مالک سے روایت ہے رسولؐ نے فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ

میں داخل ہو کر بکریوں کو اس قدر تباہ نہیں کر سکتے جتنا مال اور عہدے کی حرص کرنے والا آدمی دین کو تباہ کرتا ہے۔

فکری تشدد اور انداز خوارج

اللہ اور اسکے رسولؐ نے عبادات و معاملات میں اعتدال پسندی کو پسند فرمایا ہے۔ خاص کر مسائل کو سمجھنے سمجھانے میں غلو اور عدم توازن کو ہرگز پسند نہیں کیا۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے لوگو جس مسئلے میں اللہ اور اس کا رسول خاموشی اختیار فرمائیں تم بھی اس کو کرید کرا پنے لئے مشکل نہ بنایا کرو۔ اس لئے خواہ مخواہ کے سوالات سے اجتناب کا حکم دیا اس انداز فکر سے ایک طرف تو عملی مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور دوسری طرف بحث وتکرار کی وجہ سے اور باہمی مقابلہ ومجادلہ کی سبب فکر میں تشدد اور غلو پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگ دینی حلقوں میں انتشار ہی کا سبب نہیں بنتے بلکہ چند مسائل پر متشددانہ عمل کے سوا باقی مسائل اور عملی دنیا میں نہایت بداخلاق اور بدعمل بھی ہوتے ہیں جیسا کہ ہم نے خارجیوں کے کردار کی نشاندہی کی ہے۔ پھر ایسے علماء اکثر جذباتی ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ان مسائل کو بھی کفر واسلام کا معرکہ بنا دیتے ہیں جن مسائل میں صحابہؓ یا جلیل القدر محدثینؒ اور علمائے حق کا باہم اختلاف تھا۔ ایسے علماء یا دینی ورکر یہ بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اگر سلف ان مسائل میں دورائے رکھتے ہوئے بھی مسلمان تھے تو ہم لوگ ان مسائل میں تشدد کرتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۝ (پ۶، المائدہ ۷۷)

کہو، اے اہل کتاب، اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

عَنْ عَلِیٍّ إِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ یَقُوْلُ سَیَخْرُجُ قَوْمٌ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ حُدَّاثُ الْاَسْنَانِ سُفَهَآءُ الْاَحْلَامِ یَقُوْلُوْنَ مِنْ قَوْلِ خَیْرِ الْبَرِیَّةِ لَا یُجَاوِزُ اِیْمَانُهُمْ حَنَاجِرَهُمْ یَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّیْنِ كَمَا یَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِیَّةِ۔(صحیح بخاری جلد دوم کتاب استتابة المرتدین باب قتل الخوارج)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے آپؐ فرماتے ہیں کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو نوعمر، عقل ودانش کے لحاظ سے عدم پختہ، کتاب وسنت کو پیش کریں گے مگر حقیقتاً نور ایمان سے ایسے خالی کہ وہ ان کے حلقوں سے نیچے نہیں اترے گا اور دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے پار ہو جاتا ہے۔

فَقَالَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَیُّهَا النَّاسُ إِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ یَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ اُمَّتِی یَقْرَؤُنَ الْقُرْآنَ لَیْسَ قِرَاتُكُمْ إِلَی قِرَاتِهِمْ بِشَیْئٍ وَلَا صَلٰوتُكُمْ إِلٰی صَلٰوتِهِمْ بِشَیْئٍ وَلَا صِیَامُكُمْ إِلٰی صِیَامِهِمْ بِشَیْئٍ یَقْرءُوْنَ الْقُرْآنَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُ لَهُمْ وَهُوَ عَلَیْهِمْ۔(مسلم جلد اول کتاب الزکوة باب اعطاء المولفة وبیان الخوارج)

حضرت علیؓ نے فرمایا اے لوگو! میں نے سنا ہے رسول اللہ ﷺ سے کہ فرماتے تھے میری امت سے ایک گروپ نکلے گا جو قرآن پڑھیں گے ایسا کہ تمہارا پڑھنا ان کے آگے کچھ نہ ہوگا اور نہ تمہاری نماز ان کی نماز کے مقابلے میں کچھ ہوگی۔ ایسے ہی تم سے روزہ بھی بہتر رکھیں گے، قرآن کی شاندار قرات کریں گے اور سمجھیں گے کہ اس میں ثواب

ملے گا۔ حالانکہ وہ ان کے لئے نقصان (گناہ) کا باعث ہوگا۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رَضِىَ اللّٰهُ قَالَ إِنِّى رَجُلٌ بِالْجِعْرَانَةِ مُنْصَرَفَةُ مِنْ حُنَيْنَ وَفِى ثَوْبِ بِلَالٍ فِضَّةٌ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبِضُ مِنْهَا يُعْطِى النَّاسَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِعْدِلْ قَالَ وَيْلَكَ وَمَنْ يَّعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ لَقَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ۔ (مسلم جلد اول كتاب الزكوة باب اعطاء المولفة وبيان الخوارج)

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَرَاهُمْ شِرَارَ خَلْقِ اللّٰهِ وَقَالَ إِنَّهُمْ اِنْطَلَقُوْا إِلٰى آيَاتٍ نَزَلَتْ فِى الْكُفَّارِ فَجَعَلُوْهَا عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (بخارى جلد دوم كتاب استتابة المرتدين باب قتل الخوارج)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ خارجی لوگوں کو اللہ کی مخلوق میں سے بدترین مخلوق سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جو آیات کافروں کے متعلق نازل ہوئی تھیں انہیں مومنوں پر چسپاں کر دیا۔

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِىْ رَافِعٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ مَوْلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْحَرُوْرِيَّةَ لَمَّا خَرَجَتْ وَهُوَ مَعَ عَلِىِّ بْنِ أَبِى طَالِبٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ ،قَالُوْا لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ قَالَ عَلِىٌّ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ كَلِمَةُ حَقٍّ أُرِيْدَ بِهَا الْبَاطِلُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَفَ نَاسًا إِنِّىْ لَأَعْرِفُ صِفَتَهُمْ فِىْ هٰؤُلَاءِ يَقُوْلُوْنَ الْحَقَّ بِأَلْسِنَتِهِمْ لَا يُجَوِّزُ هٰذَا مِنْهُمْ وَأَشَارَ إِلٰى حَلْقِهِ مِنْ أَبْغَضِ خَلْقِ اللّٰهِ إِلَيْهِ۔ (مسلم، كتاب الزكوة باب اعطاء المولفة — وبيان الخوارج)

نبیؐ کے غلام عبیدہ بن ابی رافعؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حروریہ نکلے اور میں حضرت علیؓ

کے ساتھ تھا تو حروریہ نے کہا لا الحکم الا اللہ یعنی حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ یہ کلمہ تو حق بول رہا ہے مگر مفہوم اس کا غلط لے رہے ہیں۔ نبیؐ نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا تھا ان کی صفات کو میں خوب جانتا ہوں۔ (زبانوں سے) حق کہتے ہیں جو حلق سے نیچے نہیں اترتا اللہ کو ساری مخلوق میں ان پر زیادہ ناراضگی ہے۔

لَا یَرْجِعُوْنَ حَتّٰی یَرْتَدَّ عَلٰی فُوْقِهٖ۔ (ابو داؤد، جلد دوم، باب فی قتل الخوارج)

یہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹیں گے حتی کہ تیر اپنے جاری ہونے والے مقام پر نہ آ جائے جیسے اس کا واپس ہونا محال ہے۔ ایسے یہ لوگ گمراہی پہ اتنے پکے ہو گئے ہیں کہ ان کا اسلام کی طرف پلٹنا ہی محال ہے۔

یَخْرُجُ مِنْهُ اَقْوَامٌ۔ (مسلم کتاب الزکوۃ باب اعطاء المولفة وبیان الخوارج)

نبی اکرمؐ فرماتے ہیں کہ ان کی پیداوار اس قدر ہوگی کہ کئی قومیں ان سے وجود میں آئیں گی۔

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ رَسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ اِخْتِلَافٌ وَفِرْقَةٌ قَوْمٌ یُحْسِنُوْنَ الْقِیْلَ وَیُسِیْؤُنَ الْفِعْلَ۔ (ابو داؤد جلد دوم، باب فی قتل الخوارج)

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا عنقریب میری امت میں تفرقہ و انتشار ہوگا۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو باتیں اچھی کریں گے اور عمل برے کریں گے۔

تاریخ ابن کثیر میں ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر بڑی بحث و تکرار کریں گے۔

اختلافات کم کرنے کا طریقہ

میں نے یہ بات دلائل کی روشنی میں بڑے شد ومد کے ساتھ عرض کی ہے کہ رابطہ جماعتوں کی روح اور باہمی تعلقات کا مسئلہ تسبیح کے دھاگے کی طرح ہے۔ جب ہمارے آپس میں رابطے ہوں گے تو چھوٹے چھوٹے اختلافات محض ملاقات کے سبب ختم ہو جائیں گے اور دوریاں قربتوں میں تبدیل ہونا شروع ہو جائیں گی۔ خصوصاً آپ کسی ناراض بھائی سے ازخود رابطہ رکھیں گے تو اگر اختلافات ختم نہ ہوں تو نسبتاً دب ضرور جائیں گے۔ اس لئے مفسر قرآن شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے سورۃ آل عمران کی آخری آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ اختلافات کے باوجود آپس میں رابطہ قائم رکھو۔ دینی جماعتوں کے زعماء میں رابطے کا فقدان ہے جس کی وجہ سے ایک فرقے کے لوگ دوسرے فرقے کے ساتھ رابطہ نہیں رکھتے اب تو دینی ورکروں کے ہاتھ میں قلم وقرطاس کی بجائے کلاشنکوف اور راکٹ لانچر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ اس بات کی عینی شہادتیں موجود ہیں کہ جونہی علماء اور ورکرو ر پس میں میل ملاپ شروع ہوا تو اختلافات سمٹ کر اپنی حدود میں آگئے۔

اختلافات مٹانے کا شرعی حل

نبی اکرمؐ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ میری امت کو اختلافات سے بچائے رکھنا۔ لیکن باری تعالیٰ کی طرف سے جواب آتا ہے کہ اے میرے محبوب، آپ کی یہ دعا قبولیت کے شرف سے ہم کنار نہیں ہوگی۔ جب میں نے اس حدیث مبارکہ کو پڑھا تو میرے ذہن کو دھچکا لگا۔ ایک طرف تو خالق کائنات مسلمانوں کو اتحاد اور اتفاق کا حکم دیتے ہیں اور دوسری طرف جب ہمارے آقا نے

امت کے اتفاق واتحاد کے لئے دعا کی تو اسے کیوں نہ منظوری کا شرف عطا کیا گیا۔
ہوسکتا ہے کہ اس میں یہ حکمت ہو کہ مسلمانوں کو متحد اور متفق رکھنے کے لئے جتنے مواقع اور ہدایات عطا کی گئی ہیں شاید ہی دنیا میں کسی قوم اور امت کے حصے میں آئے ہوں۔ اور پھر اختلافات کو مٹانے کے لئے بڑا سادہ اور واضح نظام عطا کیا گیا ہے۔ اگر ان کے ہوتے ہوئے بھی مسلمان متحد اور متفق نہ ہوں اور اپنے اختلافات مٹانے کے لئے کوئی کوشش نہ کریں تو ان کو ایک پلیٹ فارم پر جبراً اکٹھا رکھنے کا کیا فائدہ ہوسکتا تھا؟ گویا امت کے لئے یہ صورت حال ایک آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ مسلمانوں، جب تمہارے اندر اختلافات رونما ہو جائیں تو تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو فریقین کے درمیان صلح و آشتی کے لئے سرتوڑ جدوجہد کرے اور اگر ایک فریق صلح پر آمادہ نہیں ہوتا تو صلح کرنے والوں کا ساتھ دے کر متحارب گروہ کے خلاف برسرپیکار ہو جائے۔

اگر یہ نہیں ہوسکتا تو کم از کم ان کے اخلاقی اور سیاسی وجود کو ختم کر دیا جائے۔ ان احکامات کے ہوتے ہوئے بھی جب ہر فریق اس بات کا دعوے دار ہو کہ اس نے اپنا مقدمہ اللہ اور اس کے رسول کی عدالت میں پیش کر دیا ہے اور ہر فریق یہ دعویٰ بھی کرے کہ اس کے دلائل دوسرے سے زیادہ اقرب الی الحق ہیں تو ایسی صورت میں اختلافات کو مٹانے اور مسلمانوں کو متحد رکھنے کے لئے تین صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔

۱۔ قرآن وسنت کی موجودگی میں کثرت وقلت اور عقل وفکر کی کوئی حیثیت نہیں۔

۲۔ ٹھوس فکری، نظری، دلائل اور واضح قرائن کے بعد جمہوریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۳۔ دونوں طرف دلائل برابر ہوں تو اجتماعی زندگی میں اہل حق کی اکثریت کا اتباع لازم ہے

یہی وہ طرز حیات ہے جس کو نبی اکرمؐ نے اپنی امت کے لئے پسند فرمایا اور اسی پر صحابہ کرامؓ گامزن رہے۔ اگر کوئی صحابیؓ کسی مسئلے میں افہام وتفہیم کے اعتبار سے الگ سوچ اختیار کرتا تو وہ بھی اجتماعی عبادات اور معاملات میں دوسروں سے اپنے آپ کو الگ رکھنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ یہی تابعین او محدثین کا طریقہ رہا ہے کہ وہ اختلافی مسائل جرح وتنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس مسئلے میں جمہور کا عقیدہ یہ ہے تا کہ امت کی فکری یکجہتی اور اجتماعیت قائم رہے۔ مزید وضاحت کے لئے صحاح ستہ بالخصوص ترمذی اور بخاری کا مطالعہ کیجئے اور یہی راہ فکر تمام مفسرین نے اختیار کی۔ قرآن پاک کی قدیم اور جامع مستند تفسیر ابن کثیر اس بات پر شہادت حق کا کام دے رہی ہے۔ کیونکہ سلف صالحین سمجھتے تھے کہ جس طرح حق تک پہنچنا اور اس پر عمل پیرا ہونا فرض ہے۔ اسی طرح معاملات میں امت کا اتحاد قائم رکھنا ناگزیر اور لازم ہے۔ قرآن مجید نے جہاں مسلمانوں کو ہر حال میں اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے وہاں اس بات کا بھی پابند بنایا ہے کہ انفرادی طور پر نیک، موحد او مسلمان ہونا ہی کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ بھی شامل رہنا ضروری ہے۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ ابْنِ سَارِيَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيْغَةً ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُوْنُ وَوَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوْبُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَانَ هٰذِهٖ مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَاَوْصِنَا فَقَالَ اُوْصِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ

تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرَ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَّكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ۔(ابو داؤد،کتاب السنة)

العرباض ابن ساریہؓ بیان کرتے ہیں۔ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھائی اور پھر چہرہ مبارک ہماری طرف کر کے ایک مؤثر خطاب فرمایا جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ایک آدمی اٹھ کر عرض کرنے لگا۔ اللہ کے رسول ،آپ کا یہ خطاب تو الوداعی خطاب محسوس ہوتا ہے لہذا ہمیں ضرور وصیت فرمائیں۔آپؐ نے فرمایا کہ میں تم کو وصیت کرتا ہوں۔اللہ سے ڈرتے رہنا، اپنے امیر کا حکم سننا اور اس کی تابعداری کرتے رہنا چاہئے وہ امیر حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا۔ایسے حالات میں میری سنت اور خلفائے راشدین کے طریقے کو پکڑے رکھنا۔نئی نئی باتوں سے بچے رہنا کیونکہ دین میں نئی بات گمراہی ہے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَ تْ مَصِيْرًا (پ ۵،النساء ۱۱۵)

جو شخص رسول کی مخالفت کرے اور اہل ایمان کے طریقے کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے جبکہ اس پر حق واضح ہو چکا ہو تو ہم اس کو اسی طرف جانے دیں گے جدھر وہ چلا جا رہا ہے۔ایسے شخص کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔جو بدترین ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

اس اجتماعی زندگی کے لئے تو انبیاء دعا کرتے رہے اور پھر فاتحہ کی صورت میں مومنوں کے لئے ہر رکعت میں اس دعا کو لازم قرار دیا گیا۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○ (پ۱، فاتحہ ۵ تا ۷)

ہمیں سیدھا راستہ دکھا ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا جو معتوب نہیں ہوئے جو بھٹکے ہوئے نہیں ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ (پ۱۳، یوسف ۱۰۱)

اے زمین و آسمان کے خالق تو ہی دنیا و آخرت میں میرا مالک ہے۔ میرا خاتمہ اسلام پر کرنا اور آخرت میں نیک لوگوں کا ساتھ نصیب فرمانا۔

☆☆☆

پیغام امیر مرکزیہ

نوید مسرت، عزم سفر

اسلامی خواتین کے لئے

میری بہنو! مسلمان ایک زندہ قوم ہے اور زندہ قوموں پر آزمائشیں آیا ہی کرتی ہیں۔ تاریخ شاہد ہے وہ قومیں جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد اور اکابرین کے مشن کو زندہ رکھا اور اپنے اندر اتحاد و اتفاق اور نظم جماعت جیسے عوامل کو تقویت دی وہ تاریخ کے اوراق پر قصہ پارینہ بن گئیں۔ زندگی کی جدو جہد کے اس نشیب و فراز میں مسلم خواتین کا کردار ہر دور میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔ کیونکہ کسی بھی مرد مجاہد کی قوت کا دارو مدار ایک عورت کے نیک جذبات اور بلند عزائم پر مشتمل ہے۔

مرکزی جمعیت شعبہ خواتین ان ہی عزائم کو لیکر معرض وجود میں آئی ہے۔ باجی ثریا مرحومہ کی وفات کے بعد اس بوجھ اور ذمہ داری کو اٹھانے کے لیئے مجھے اہل قرار دیا گیا اور پھر کسی بھی عزم کو لیکر آگے بڑھنے کے لئے مخلص اور دیانت دار ساتھیوں کی ضرورت ہوتی ہے خدا کے فضل و کرم سے مجھے اس میدان میں نہایت ہی دیانتدار، باعلم اور مخلص ساتھیوں کی معاونت حاصل رہی اور پھر اس طرح تنظیم کا کام اپنے دائرہ کار میں بہتر طریقہ سے چلتا رہا۔ تین سال تک محترمہ رضیہ مدنی صاحبہ میرے ساتھ بطور جنرل سیکرٹری کام کرتی رہیں۔ حالات کے پیش نظر دوبارہ تنظیمی انتخاب کی ضرورت پڑی جسکے نتیجہ میں محترمہ باجی عابدہ یزدانی ناظم مرکزیہ کی حیثیت سے اپنی ذمے داریاں لے کر میدان عمل میں میرے ساتھ آئیں اور یوں ایک نئے انداز فکر سے دوبارہ تنظیمی ورک شروع ہوا اور آج اللہ کی خاص رحمتوں سے تنظیمی ورک اس

انداز سے کیا جا رہا ہے کہ شعبہ خواتین ترقی کے راستے پر گامزن ہے۔ اور ہماری منزل انشاءاللہ قریب تر ہے۔ میں اس موقع پر اپنی اسلامی بہنوں کے نام یہ پیغام دینا چاہتی ہوں کہ اٹھیئے آپکے لئے یہ نوید مسرت اور عزم سفر کا موقع ہے۔ آپ خود بھی رکنیت حاصل کریں اور دوسروں کو بھی اپنا ساتھی بنائیں۔

ہماری تنظیم کے عظیم مقاصد اتحاد و اتفاق پیدا کر کے عریانی و فحاشی اور شرک و بدعات کے خاتمہ کے لئے ڈٹ جانا اور اس ملک کی بہنو، بیٹیوں اور ماؤں کو سیرت امھات المؤمنین، سیرت صحابیات اور سیرت بنات رسول کی داعی بنانا۔ اس کے علاوہ تمام دینی اداروں سے وابستہ مبلغات و معلمات اور طالبات و اساتذہ کے مسائل پر غور و فکر کر کے ان کا حل تلاش کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو دور کر کے خوشگوار اور کامیاب ماحول کو تقویت دینا اور شب و روز اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے علم کو بلند کرنے کے لئے کوشاں رہنا۔ یہی ہمارے عظیم عزائم ہیں۔ جن کے لئے ہم نے شعبہ خواتین مرکزی جمعیت بنا رکھی ہے۔ تمام مسلم خواتین کے نام میرا یہ پیغام ہے کہ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہمارے ساتھ قدم ملائیں تا کہ ہم ایک مظبوط طاقت بن کر اپنے راستے خود بنالیں اور باطل قوتوں کے خلاف ڈٹ کر حق و صداقت کے پرچم کو بلند کرتے ہوئے اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جائیں۔

خون جگر دے کر نکھاریں گے رخ برگ گلاب
ہم نے مرکزی جمعیت کے تحفظ کی قسم کھائی ہے

عزیز بہنو! نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ

یداللہ علی الجماعۃ۔ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور پھر وہ جماعت سازی

جس کا مقصد جائز اور ارفع ہو۔ نبی پاک ؐ کے اس فرمان کی عظمت کو حاصل کرنے کے لئے آپ ہمارے ساتھ جماعت سازی کریں۔ رکنیت لے کر نظم جماعت کے آداب کو پورا کریں تا کہ مرکزی جمعیت شعبہ خواتین حقیقی کامیابی کے ساتھ خوش اسلوبی سے آگے بڑھتی رہے۔ میں اپنی تمام دینی بہنوں اور مسلمان خواتین سے امید وابستہ کرتی ہوں کہ وہ اس مشکل سفر میں ہمارا ساتھ ضرور دیں گی اور اس طرح ہم سب اپنے عظیم مقاصد کے حصول کے لئے ہر لمحہ بیدار رہیں گے۔

آخر پر میں اپنے رفقاء کابینہ کی ممبران، کارکنان اور اپنے مرکزی جمعیت کے قائدین کے لئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو اور ہم سب کی رہنمائی فرمائے اور علم و عمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

الراقمہ

زبیدہ امین پرنسپل جامعۃ البنات کھوکھر کی گوجرانوالہ

امیر مرکزیہ پاکستان

فون نمبر 0431-710377,041257158

موبائل۔ 0302-7346698

شعبہ خواتین مرکزی جمعیت اہلحدیث کی رکنیت حاصل کرنے کی شرائط

1- ہر بالغہ عاقلہ خاتون جو اس کے قواعد وضوابط کی پابندی کر سکتی ہے، رکن بن سکتی ہے۔

2- رکنیت حاصل کرنے کے لئے کم از کم قوانین اسلام کے بنیادی عقائد سے واقف ہوں۔

3- اسلام کے فرائض کی پابندی اور کبائر سے اجتناب کرتی ہوں۔

4- کسی غیر اہلحدیث جماعت کی رکن نہ ہوں۔ ایک وقت میں دو جماعتوں کی رکن نہ ہوں۔

5- صوم وصلوۃ اور پردہ کی پابندی کرتی ہوں۔

6- جانی و مالی قربانیاں دین کے لئے وقف کرنے کا ہر ممکن جذبہ رکھتی ہوں۔

7- اطاعت امیر کے جائز تقاضوں کی کاربند ہوں۔

نوٹ: مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین کا حقیقی نصب العین قرآن وحدیث کے رہنما اصولوں کی روشنی میں ایک خالص اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے عملی انقلاب برپا کر کے رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ اور یہی نصب العین جمعیت کی ہر رکن کا ہوگا تو پھر کامیابی وکامرانی ہمارے ساتھ ہوگی۔ انشاء اللہ

تنظیمی ورک کے لئے فوری دفاتر کا قیام

1- مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین کا مرکزی دفتر جامعۃ البنات اہلحدیث سیالکوٹ روڈ کھوکھر کی گوجرانوالہ میں بنایا جا چکا ہے۔ جس میں امیرہ محترمہ اپنی کابینہ کے ساتھ باہمی روابط کے ذریعے تنظیمی امور سرانجام دیتی ہیں۔ ہر پندرہ دن کے بعد ناظمہ مرکزیہ محترمہ عابدہ یزدانی صاحبہ مرکزی دفتر کے تنظیمی ورک کا بغور جائزہ لے کر نئی تجاویز مرتب کر کے درپیش مسائل کے حل کے لئے کوشاں ہیں۔

2- ناظمہ مرکزیہ کا دفتر واپڈا ٹاؤن 623/R,C/1 گوجرانوالہ میں ہے۔

3- اس کے علاوہ تمام ضلعوں کے انفرادی طور پر بھی دفاتر تنظیمی ورک میں مصروف کار ہیں۔ ضلع کی سطح پر کام کرنے والے مندرجہ ذیل دفاتر قابل عمل ہیں۔

ضلع گوجرانوالہ: جامعۃ محمدیہ للبنات کنگنی والا۔

زیر نگرانی: طوبیٰ رحمن، عطیہ عادل

ضلع جہلم:

جامعۃ اثریہ للبنات

زیر نگرانی: نعیم احمد صاحبہ

ضلع لاہور:

زیر نگرانی: محترمہ رضیہ مدنی، مریم عادلہ

ضلع فیصل آباد:

جامعۃ حدیقۃ الاسلام

زیر نگرانی: خالدہ ذکاءاللہ صاحبہ، محترمہ نجمہ جاوید صاحبہ

ضلع سیالکوٹ:

زیرنگرانی: محترمہ زاہدہ صاحبہ، عائشہ خان صاحبہ

ضلع شیخوپورہ: اوران کے علاوہ دیگر کئی حلقہ جات کے اندر بھی مرکزی جمیعت شعبہ خواتین کے دفاتر کام کررہے ہیں۔امید ہے کہ آئندہ جلد پاکستان کے ہرضلع میں تنظیمی دفاتر قائم کردیئے جائیں گے۔اور تنظیم کا کام اورمراکز میں شروع کردیا جائے گا۔کیونکہ اس پروگرام کے تحت تنظیمی ورک کومزید تقویت دینے کے لئے امیرہ محترمہ اورناظمہ مرکزیہ اپنی کابینہ کے ساتھ تنظیمی دورہ جات کا آغاز کرچکی ہیں۔

جن دفاتر میں کام جاری ہے وہاں سے باقاعدہ فائل کے ذریعے تنظیمی رپورٹ مرکزی دفتر میں بھجوائی جارہی ہے۔اورکام کونہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ بڑے ہی نظم وضبط سے سرانجام دیا جارہا ہے۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین پاکستان کے اغراض ومقاصد

1. تمام دینی مدارس کے سربراہ خواتین میں اتحاد واتفاق کو فروغ دیکر معاشرے میں ایک عملی نمونہ پیش کرنا۔

2. خواتین کے اندر مسلکی اور دینی شعور بیدار کر کے سیرت وکردار اور اخلاق کی تعمیر کرنا۔

3. تمام مسلمان خواتین جو خالص اسلامی عقائد پر قائم ہوں ان کو اپنے ساتھ منظم کرنا۔

4. تقریر وتحریر اور دوسرے ذرائع سے اسلام کی اشاعت کرنا۔

5. بے راہ روی، بے پردگی اور لادینی قوتوں کے خلاف جذبہ جہاد کو ہر ممکن تقویت دینا۔

6. دینی درسگاہوں کی طالبات کے اندرونی وبیرونی تحفظ کو مدنظر رکھنا نیز نادار، یتیم اور غریب طالبات کی ہر ممکن مدد کرنا۔

7. انکار حدیث، شخصیت پرستی اور اکابر پرستی کے رجحانات کو ختم کرنا اور اسکی جگہ توحید وسنت کا پرچار کرنا۔

8. افکار اہلحدیث اور اسکے لوازمات مثلاً مساجد اہلحدیث، مدارس اہلحدیث اور علماء اہلحدیث کے وقار کا تحفظ کرنا۔

9. مقام مصطفیٰ اور ناموس صحابہ کی پاسبانی کرنا۔

10. کتاب وسنت پر مبنی لٹریچر کی اشاعت اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق تربیتی کورسز کا اہتمام کرنا۔

11. ذہین وفطین طالبات کو فن تقریر سکھانے کے لئے مختلف پروگرام وضع کرنا اور قابلیت ومعیار کو مدنظر رکھتے ہوئے انعامات دینا۔ غیر نصابی سرگرمیاں اور اخبارات کا مطالعہ بھی فراہم کرنا۔

12. تربیتی اجتماعات، اسلامی مجالس اور مذاکرات کا انعقاد کرنا۔

13. جامعات میں انقلابی سوچ کو بیدار کرنے کے لئے تربیتی کورسز کا اہتمام۔

14. سروے نیم، ریفریشر کورسز اور نایاب لائبریری کتب کا انتظام کرنا۔

15. سالانہ کانفرنس اور تبلیغی اجلاسوں میں سادگی تقویٰ اور اختصار سے کام لینا۔

نوٹ: ہمارا اولین نصب العین قرآن وحدیث کے راہنما اصولوں کی روشنی میں ایک خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے عملی انقلاب برپا کر کے رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

ترتیب وتحریر۔ محترمہ عابدہ یزدانی صاحبہ

دستخط امیر محترمہ............ دستخط ضلعی امیر محترمہ............

مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین پاکستان

دور جدید کی انفرادی تنظیم

مرکزی جمعیت اہلحدیث شعبہ خواتین پاکستان کی بنیاد جامعہ تعلیم القرآن والحدیث للبنات کی مدیرہ محترمہ باجی ثریا مرحومہ نے رکھی۔ان کی وفات کے بعد جس طرح ان کا ادارہ ان کے جانشین اوران کے تیار کردہ اساتذہ نہایت ہی پروقار اور پرعظم طریقہ سے چلارہے ہیں اسی طرح ان کی رفقاء تنظیمی ورک میں بھی ساتھ ساتھ ہیں۔امیر مرکزیہ محترمہ زبیدہ امین صاحبہ کی پرعزم قیادت اور ناظمہ مرکزیہ محترمہ عابدہ یزدانی صاحبہ کی شب وروز مقاصد کے حصول کے لئے کوششوں کی وجہ سے آج شعبہ خواتین مرکزی جمعیت کامیابی کے میدان میں اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔دور جدید میں شعبہ خواتین مرکزی جمعیت مسلمان خواتین کی بہترین نمائندہ جماعت ہے۔اس کی حقیقی انفرادیت اور ابدی کامیابی وکامرانی کا راز اس کے ممبران کی علمی اور دینی وابستگی میں پوشیدہ ہے اور یہ کہنا بعید از قیاس نہ ہوگا کہ مرکزی جمعیت شعبہ خواتین کی قیادت اعزازی طور پر دینی اداروں کی مدیرات اور میدان تبلیغ کی بلند پایہ مبلغات پر مشتمل ہے اور باور رہے کہ وہ تنظیم کس قدر عظیم وبابرکت ہوگی جس کی رہنمائی دینی شخصیات کے ہاتھوں میں ہو۔اس تنظیم کے مرکزی کردار امیر مرکزیہ زبیدہ امین صاحبہ اور ناظم مرکزیہ محترمہ عابدہ یزدانی صاحبہ ہیں۔جو نہایت قابل قدر علمی شخصیات ہیں ان کے اندر وہ تمام اوصاف حسنہ موجود ہیں جو ایک بہترین قیادت میں ہونے چاہئیں۔ان دونوں کی قیادت تنظیمی ورک کے لئے سوھان روح ہے۔اس کے علاوہ تمام مرکزی کابینہ کے ممبران نہایت مخلص ہیں۔وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ہر ممکن طریقہ سے تنظیم کو کامیاب بنانے میں شب وروز کوشاں ہیں۔

کابینہ کے ممبران جو ہمہ وقت مرکزی دفاتر سے وابستہ ہیں ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں

محترمہ شوکت رحمٰن صاحبہ گوجرانوالہ۔امیر ضلع گوجرانوالہ

محترمہ صبیحہ صاحبہ نائب امیر مرکزیہ گوجرانوالہ

محترمہ امت الرقیب صاحبہ خازن مرکزیہ گوجرانوالہ

محترمہ روبینہ بشیر صاحبہ ناظمہ نشرواشاعت مرکزیہ

محترمہ سعیدہ مصطفیٰ صاحبہ نائب ناظمہ مرکزیہ

محترمہ نسرین یوسف صاحبہ نائب امیرہ ضلع گوجرانوالہ

محترمہ عطیہ عادل صاحبہ ناظمہ ضلع گوجرانوالہ

محترمہ طوبیٰ رحمٰن صاحبہ نائب خازن مرکزیہ

محترمہ فضیلت مغل صاحبہ رابطہ سیکرٹری مرکزیہ

بریرہ سفیان صاحبہ نائب رابطہ سیکرٹری گوجرانوالہ

محترمہ خالدہ صاحبہ خازن ضلع گوجرانوالہ

محترمہ فضیلت مغل صاحبہ رابطہ سیکرٹری گوجرانوالہ

حافظ کنیزہ الرحمٰن صاحبہ نائب ناظمہ نشرواشاعت مرکزیہ

علاوہ ازیں اپنے ضلع اور حلقہ جات میں کام کرنے والی خصوصی عہدیداران۔

محترمہ نعیم احمد، جہلم جامعہ اثریہ للبنات

محترمہ خالدہ ذکاءاللہ صاحبہ ضلع فیصل آباد

محترمہ رضیہ مدنی صاحبہ ضلع لاہور

محترمہ زاہدہ صاحبہ اور محترمہ عائشہ خان صاحبہ سیالکوٹ

محترمہ مریم عادلہ صاحبہ لاہور

تعارف ابو ہریرہؓ اکیڈمی

دانشواران قوم اور دینی طلبہ کا مدت سے مطالبہ تھا کہ درس نظامی کے نصاب میں تبدیلی اور ایسے ادارے معرض وجود میں لائے جائیں جن میں گریجویٹ، جید علماء تیار کئے جائیں جو عصر حاضر کے چیلنجز کا مقابلہ کرتے ہوئے ہر شعبہ زندگی میں قرآن وسنت کا انقلاب برپا کرسکیں ہم نے مقامی وسائل سے 1997ء میں ابو ہریرہؓ اکیڈمی کی صورت میں کامیاب تعلیمی منصوبہ کی ابتدا کی ہے۔ ملک کا باشعور طبقہ اور علماء کرام جانتے ہیں کہ شاید ہی کسی مسلک کا ایسا ادارہ ہو جہاں درس نظامی کے ساتھ باقاعدہ ایف اے، بی اے، ایم اے کروایا جاتا ہو۔ اس لحاظ سے ابو ہریرہؓ اکیڈمی ہی واحد ادارہ ہے جہاں علوم اسلامیہ اور کالج کی تعلیم یکساں طور پر دی جارہی ہے۔

خصوصیات

☆ علوم اسلامیہ معہ بی اے، ایم اے صرف چار سال میں ☆ مختصر آسان اور جدید سلیبس ☆ معیاری قیام وطعام ☆ اساتذہ کی مسلسل نگرانی میں سبق یاد کروانے کی گارنٹی۔

شرائط داخلہ

☆ میٹرک ترجیح فرسٹ ڈویژن، ایف اے ☆ درس نظامی اور کالج کی کتب بذمہ طالبعلم ☆ صاحب ثروت حضرات کو میس کے اخراجات خود برداشت کرنا ہوں گے جب کہ مالی اعتبار سے کمزور طلبہ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں ڈالا جاتا ☆ داخلہ میٹرک کے امتحان کے بعد ☆ میٹرک میں فیل ہونے والے طالبعلم کو فارغ کردیا جائے گا۔

مصنف کا مختصر تعارف

میاں محمد جمیل 1947ء کو گوہڑ چک 8 ضلع قصور، ارائیں فیملی میاں محمد ابراہیمؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں پنجاب میں علمی دینی اور تبلیغی لحاظ سے بڑے بڑے علماء اور قومی رہنماؤں کا مرکز رہا ہے۔

☆☆☆

تعلیم و تربیت

سکول کی ابتدائی تعلیم کے بعد میاں صاحب نے اپنے گاؤں میں قرآن پاک حفظ کیا پھر جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے ساتھ ایم۔اے اسلامیات، فاضل اردو اور وفاق کی ڈگریاں حاصل کیں اور اب لاہور میں کاروبار کے ساتھ آنریری طور پر جامع مسجد ابوہریرہؓ کی خطابت اور ابوہریرہؓ اکیڈمی کی نظامت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ کاروباری مصروفیات کے باوجود کئی ممالک کے تبلیغی دورے کر چکے ہیں۔

☆☆☆

تعارف کتب

1- آپ ﷺ کا حج: نہایت مختصر مگر جامع، حج کے ہر رکن کا فلسفہ۔ (پہلا ایڈیشن 1999ء دوسرا ایڈیشن 2000ء)

2- آپ ﷺ کی نماز: نماز کے روحانی اور معاشرتی فوائد، قیام وسجود کی عملی تصاویر۔

(پہلا ایڈیشن مارچ 2000ء، چھٹا ایڈیشن اگست 2001)

3- فضیلت قربانی اور اسکے مسائل: جذبہ قربانی' قوموں کی زندگی کا محرک اور بقا کا ضامن (پہلا ایڈیشن 1996ء چوتھا ایڈیشن 2000ء)

4- سیرت ابراہیمؑ: ابوالانبیاء کی عظیم جدو جہد اور ابدالآباد تک رہنے والے اثرات وثمرات۔ (پہلا ایڈیشن 1985ء چھٹا ایڈیشن 2001ء)

5- آپ ﷺ کا تہذیب وتمدن: آپؐ کے تہذیب وتمدن کے انقلاب آفرین نتائج اور مسلمانوں کے کلچر کے انمٹ نقوش۔ (پہلا ایڈیشن جنوری 2000، چوتھا ایڈیشن فروری 2001ء)

6- اتحادِ امت اور نظم جماعت: جماعت بندی، کارکن اور قیادت کی خصوصیات کے ساتھ باہمی تعلقات ومشاورت اور امت کو متحد رکھنے کا آخری نقطہ۔ (پہلا ایڈیشن 1997ء دوسرا 2001ء)

7- مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے: مشکلات کے اسباب نجات کے لئے اللہ تعالی اور سرور دو عالم کے منتخب کردہ اقدامات تلافی مافات اور روشن مستقبل کے لئے اللہ تعالی کی رحمت وبرکات کے نزول کے ایمان افروز اور عزم وہمت کو مضبوط کر دینے والے واقعات۔ (پہلا ایڈیشن جنوری 2000ء پانچواں فروری 2001ء)

8- انبیاءؑ کا طریقہ دعاء: ہر دعا کی قبولیت کی گارنٹی۔ انبیاء نے کس طرح دعا کی۔ وہ دعا جو تقدیر بدل دیتی ہے۔ انبیاء کی مستجاب دعائیں۔ (پہلا ایڈیشن جون 2001ء)

9- خطبات انبیاءؑ: جن خطبات سے انقلابات برپا ہوئے۔ جنھوں نے دلوں کی کایا پلٹ دی۔ خطبات انبیاء میں آج کے سیاسی، معاشی، روحانی اور سماجی مسائل کا حل، عنقریب علمی دنیا میں دستیاب انشاءاللہ

مطبوعات اکیڈمی

از قلم: میاں محمد جمیل

آپ ﷺ کا حج

تیسرا ایڈیشن

آپ ﷺ کی نماز

پانچواں ایڈیشن

خطباتِ انبیاء علیہم السلام

اکتوبر 2001ء میں دستیاب ہے

سیرتِ ابراھیم علیہ السلام

پانچواں ایڈیشن

آپ ﷺ کا تہذیب وتمدّن

چوتھا ایڈیشن

اتحادِ امّت اور نظمِ جماعت

دوسرا ایڈیشن

فضیلتِ قربانی اور اس کے مسائل

چوتھا ایڈیشن

مشکلات کیوں؟ نکلنے کے الہامی راستے

پانچواں ایڈیشن

تفصیلی تعارف ص 144